بے توڑ

دنیا میں ہر عمل اور ہر ایجاد کا توڑ ہے لیکن محبت کا توڑ آج تک کسی نے پیدا نہیں کیا۔

ان نادان لوگوں کا فسانۂ عبرت جو محبت کو ختم کر کے انسانوں میں نفرت کا بیج بونا چاہتے ہیں۔

انوکھے موضوع پر انوکھے انداز کی کہانی۔

ایک بہت بڑے ملک کی انٹیلی جنس والے ایک بہت ہی خفیہ اجلاس میں شریک تھے۔ اس خفیہ اجلاس میں اس بڑے ملک کا سربراہ اور وزیر خارجہ وغیرہ بھی موجود تھے۔ اس اجلاس میں ایک اہم سوال زیرِ بحث تھا اور وہ سوال تھا۔ "پاکستان میں پچھلے سات برس سے کوئی تخریبی کارروائی کیوں نہیں ہو رہی ہے؟"

وزارتِ خارجہ کے سیکرٹری نے کہا۔ "دنیا کا ہر بڑا ملک کسی چھوٹے ملک میں اپنی مرضی کی حکومت قائم کرنے کے لئے اپنے ایجنٹ یا دلالوں کے ذریعے اس ملک میں تخریبی کارروائی کراتا ہے۔ ہماری مخالفت میں جو بڑا ملک ہے وہ بھی یہی کرتا ہے اور ہم بھی پاکستان میں یہی کرتے رہے لیکن جن دلالوں کو اور جن جماعتوں کو ہم تخریبی کارروائی کے لئے بڑی سے بڑی مالی امداد دیتے تھے اب وہ جماعتیں ہم سے امداد لینے سے انکار کرتی ہیں اور انہوں نے تخریبی کارروائیوں سے توبہ کرلی ہے۔ وہ سب اپنے ملک کے وفادار بن گئے ہیں۔ یہ اچانک انقلاب کیسے آیا؟

"اس ایک سوال کا جواب حاصل کرنے کے لئے ہم نے بہت کوششیں کیں۔ پاکستان میں ہمارے سفارت خانے کا پورا عملہ موجود ہے لیکن اس سفارت خانے کا ہر فرد پاکستان پہنچ کر پاکستان کا وفادار بن جاتا ہے اور ہمارے ملک کے لئے جاسوسی کرنا بھول جاتا ہے۔ ہم نے کتنے ہی افسروں کو وہاں سے بلایا اور ان کی جگہ دوسروں کو بھیج دیا۔ جنہیں واپس بلایا۔ ان سے طرح طرح کے سوالات کئے۔ وہ صرف محبت اور امن و آشتی کی باتیں کرتے ہیں۔ انہیں دھمکیاں دی گئیں۔ سزا کا خوف دلایا گیا۔ ان پر سختیاں بھی کی گئیں لیکن ہمارے ملک کے وہ جاسوس ہمارے ہی منہ پر کہتے رہے کہ وہ پاکستان سے غداری نہیں کریں گے۔ وہاں کا نمک کھایا ہے۔ اس سے نمک حلالی کرتے رہیں گے۔ پھر انہیں ذہنی اذیتیں پہنچائی گئیں' انہیں بجلی کے جھٹکے دیئے گئے۔ پھر رفتہ رفتہ سال' دو سال بعد وہ کچھ نارمل ہوئے۔ پاکستان کی وفاداری پہلے جیسی تو نہ رہی لیکن وہ یہ بتانے سے قاصر تھے کہ ان کے ساتھ کیا ہوا۔ وہ کیوں پاکستان کے وفادار بنے رہے تھے؟ ان کے

ساتھ ایسا کیا سلوک کیا گیا تھا یا کس طرح انہیں سحرزدہ کیا گیا تھا؟

"ہمیں اپنے سفارت خانے کے لوگوں سے یا جاسوسوں سے صرف ایک ہی جواب ملتا ہے کہ پاکستان میں اصلاح معاشرہ کی مہم کامیاب ہوچکی ہے اور وہاں کا ہر فرد نیک ہدایات پر دل و جان سے عمل کرتا ہے لیکن یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ جب سے انسانوں نے اقتدار کی ہوس کو اپنایا ہے۔ اس وقت سے لے کر آج تک کسی ملک کی تاریخ میں ایسا نہیں ہوا کہ ایک ملک کے بچے سے لے کر بوڑھے تک ہم خیال اور ہم آواز ہوں اور سب کے سب نیک اور پارسا ہوں۔ سب کے سب تعمیری کام کرتے ہوں اور کوئی تخریب کاری کی طرف مائل نہ ہوتا ہو۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی اور ہم یہ سمجھنا چاہتے ہیں۔

"اس سلسلے میں ہماری انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر جنرل نے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ میں ڈائریکٹر جنرل سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنی رپورٹ پیش کریں۔" یہ کہہ کر وزارتِ خارجہ کا سیکرٹری بیٹھ گیا۔

ڈائریکٹر جنرل نے اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "معزز حاضرین! جب ہم نے یہ دیکھ لیا کہ یہاں سے جانے والے ہمارے آدمی پاکستان کے ہو کر رہ جاتے ہیں اور اس ملک سے غداری نہیں کرنا چاہتے تب ہمارے سامنے دوسرا راستہ تھا اور وہ یہ کہ ہم پاکستان کی کسی ایک اہم شخصیت کو وہاں سے اغوا کرکے یہاں لائیں۔ پھر اس کی زبان سے اندرونی راز اُگلوائے جائیں۔ ۲۵ فروری کو وہاں کی حکومت کا ایک اعلیٰ افسر خیرسگالی دورے پر دوسرے بڑے ملک کی طرف جارہا تھا ہم اسے اغوا کرکے یہاں لے آئے۔ کسی محب وطن پاکستانی سے سوال و جواب کے ذریعے حقیقت تک پہنچنا ناممکن تھا۔ اس لئے ہم نے پہلے ہی سے طریقہ کار کا تعین کرلیا تھا۔ ہم نے اس اعلیٰ افسر کو ایسے انجکشن لگائے جس سے اس کا دماغ کمزور ہوتا گیا۔ یہ ایک سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ انسان کے دماغ کو کمزور بنا دیا جائے تو محبت اور وفاداری کے جذبے بھی کمزور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ پھر دماغی کمزوری ایک ایسے نقطے پر پہنچ جاتی ہے' جہاں انسان صرف چڑچڑا بن کر رہ جاتا ہے۔ بات بات پر جھنجلاتا ہے۔ نفرت سے کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ ایسے ہی وقت اسے اپنے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔" ڈائریکٹر جنرل نے یہ کہہ کر وہاں کھڑے ہوئے ایک مسلح گارڈ کی طرف اشارہ کیا وہ گارڈ وہاں سے پلٹ کر باہر چلا گیا۔ پھر ڈائریکٹر جنرل نے کہا۔ "معزز حاضرین! اب میں آپ لوگوں کے سامنے مسٹر کمال طارق کو پیش کرتا ہوں یہ وہی پاکستانی

اعلیٰ افسر ہے جسے ہم نے اغوا کیا تھا اور ہم نے اب اسے اس حال پر پہنچا دیا ہے کہ وہ اپنے طور پر کوئی مدافعت نہیں کرسکتا۔ اس کے اندر سے محبت' امن و آشتی اور وفاداری کا جذبہ ڈھل گیا ہے۔ دماغی طور پر وہ اس قدر کمزور ہوگیا ہے کہ صرف اپنے مطلب کی بات کرتا ہے۔ آپ خود دیکھ لیں۔"

سب نے دیکھا۔ اس کمرے کا دروازہ کھل گیا تھا اور دو مسلح جوان ایک شخص کو وہیل چیئر پر بٹھا کر لا رہے تھے۔ وہ شخص نہایت ہی کمزور اور بیمار نظر آرہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ بڑبڑا رہا تھا۔ "مجھے تم لوگوں نے کیوں قید کیا ہے؟ کل سے مجھے کھانے کے لئے نہیں دیا گیا۔ پینے کے لئے ایک گھونٹ پانی بھی نہیں ملا۔ یہ کیا ظلم ہے۔ مجھے کھانے کو دو' مجھے پینے کو دو۔"

ڈائریکٹر جنرل نے مسکرا کر پوچھا۔ "کیا پاکستان واپس نہیں جاؤ گے؟"

مجھے صرف کھانا چاہئے۔ میرا حلق خشک ہو رہا ہے۔ مجھے پانی پلاؤ' میرا دل رہ رہ کر بری طرح دھڑکتا ہے۔ خدا کے لئے میرا علاج کرو۔"

ڈائریکٹر جنرل نے فاتحانہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ لوگوں نے دیکھ لیا۔ اب یہ صرف اپنی ذات کے متعلق گفتگو کرتا ہے حُب الوطنی اس کے دل و دماغ سے نکل چکی ہے۔"

ایک شخص کھانے کی ٹرالی دھکیلتا ہوا اس کمرے میں داخل ہوا اس ٹرالی میں طرح طرح کے کھانے اور پانی کا جگ رکھا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی کمال طارق مچلنے لگا لیکن اس کے پاس کھڑے ہوئے مسلح جوانوں نے اسے دونوں طرف سے تھام لیا تھا اور اسے بیٹھے رہنے پر مجبور کر رہے تھے۔ اجلاس میں شریک ہونے والے ایک ممبر نے سوال کیا۔ "مسٹر طارق! یہ کیسی حُب الوطنی ہے؟ ہم نے تو سنا ہے کہ لوگ اپنے وطن کے لئے اپنی آخری سانس بھی قربان کر دیتے ہیں؟"

طارق نے کہا۔ "میں......... میں کیا بتاؤں۔ مجھے اپنا وطن بہت عزیز ہے۔ میں اپنے وطن پر جان دینا چاہتا ہوں لیکن جان دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ زندہ رکھ کر ہر لمحے مارا جائے اور مارنے کے بعد پھر زندہ کیا جائے۔ یہ لوگ مجھے جس قسم کا انجکشن لگاتے ہیں اس کا اثر اتنا اذیت ناک ہوتا ہے کہ میں اپنا دماغی توازن کھو بیٹھتا ہوں۔ جب ذہنی حالت ذرا بحال ہوتی ہے تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا میں کہاں ہوں؟ کیا کر رہا ہوں؟ زندہ ہوں یا مُردہ ہوں؟ یہ میرے ساتھ غیر انسانی سلوک کیا جارہا ہے۔ میں بولتے بولتے لڑکھڑانے لگتا

ہوں۔ میرا دماغ اتنا کمزور ہوگیا ہے کہ میں صرف اپنی بھوک پیاس اور علاج کے متعلق ہی سوچ سکتا ہوں اور تم لوگوں سے التجا کرسکتا ہوں۔"

ڈائریکٹر جنرل نے کہا۔ "تمہیں یہ سارے کھانے کھلائے جائیں گے پانی پلایا جائے گا۔ تمہارا علاج اس طرح کرایا جائے گا کہ تم پہلے کی طرح تندرست ہوجاؤ گے لیکن پہلے ہمارے سوالوں کا صحیح صحیح جواب دو۔"

چند لمحوں تک خاموشی رہی۔ کمال طارق نے سوالیہ نظروں سے ڈائریکٹر جنرل کی طرف دیکھا۔

ڈائریکٹر جنرل نے پھر سوال کیا۔ "ہمیں سچ سچ بتاؤ کہ پاکستان کے تمام باشندے کس طرح ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور سب ہی اپنے ملک کے وفادار کیسے بن گئے ہیں۔ ہم نے تمہارے کتنے ہی آدمیوں کو آزمایا ہے۔ کوئی بھی دولت یا اقتدار کے لالچ میں بکنا نہیں چاہتا۔ آخر یہ کیا راز ہے کہ سب ہی تعمیری ذہن رکھتے ہیں۔ کوئی تخریب پر آمادہ نہیں ہوتا۔"

"مجھے کچھ کھانے دو۔"

"پہلے جواب دو۔"

"میرا حلق خشک ہو رہا ہے۔ خدا کے لئے ایک گھونٹ پانی دے دو۔"

ڈائریکٹر جنرل کے حکم سے تھوڑا سا پانی اسے پلایا گیا۔ پھر سوال کیا گیا۔ اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "بے شک میرا دماغ بالکل کمزور ہوگیا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے میرا سر میرے جسم پر بھاری ہے اور میں اسے سنبھال کر نہیں رکھوں گا تو یہ سر نیچے گر پڑے گا۔ اس کے باوجود میں اپنے وطن کے بارے میں کچھ نہیں............"

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی ایک شخص سامنے آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑی سی سرنج تھی۔ اسے دیکھتے ہی کمال طارق ایک دم سے گھبرا گیا۔ ہذیانی انداز میں چیخنے لگا۔ "نہیں نہیں۔ مجھے انجکشن نہ لگاؤ میں مرنا نہیں چاہتا۔"

ڈائریکٹر جنرل نے کہا۔ "تمہیں اسی طرح زندہ رکھ کر مارا جائے گا اور مار مار کر زندہ کیا جائے گا ہم دیکھتے ہیں کہ تم کب تک انکار کرو گے۔ اگر اپنی زندگی چاہتے ہو تو سوال کا جواب دو۔"

کمال طارق نے سرنج کی طرف دیکھا تھوک نگلتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کیں۔ پھر لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے کہا۔ "مجھے موت منظور ہے۔"

ڈائریکٹر جنرل نے کہا۔ "یہ اس طرح نہیں مانے گا۔ اسے دوسرے کمرے میں پہنچا دو۔"

دوسرے کمرے میں ایک بستر بچھا ہوا تھا۔ وہاں ایک عورت بستر کے سرہانے میز کے پاس بیٹھی ہوئی تھی دو جوان کمال طارق کو اٹھا کر لائے اور اس بستر پر لٹا دیا۔ دوسرے کمرے میں ڈائریکٹر جنرل نے ایک شخص سے کہا۔ "پروفیسر' کمال طارق کا ذہن بالکل کمزور ہو چکا ہے آپ بڑی آسانی سے تنویمی عمل کے ذریعے اسے ٹرانس میں لاسکتے ہیں اور ساری معلومات حاصل کرسکتے ہیں۔"

پروفیسر نے کہا۔ "یس سر! میں ابھی کوشش کرتا ہوں۔ وہ ضرور سب کچھ اُگل دے گا۔"

یہ کہہ کر پروفیسر اسی کمرے میں چلا گیا۔

دو گھنٹے کے بعد اسی کمرے میں پھر اجلاس منعقد ہوا۔ اب اس اجلاس میں اس عورت کا اضافہ ہوگیا تھا جو اندر تنویمی عمل کے دوران کمال طارق کے سرہانے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے ایک فائل کو کھولتے ہوئے کہا۔ "معزز حاضرین! پروفیسر نے تنویمی عمل کے دوران جو سوالات کئے اور مسٹر کمال طارق نے ایک معمول کی حیثیت سے جو جوابات دیئے میں نے ان کا ایک ایک لفظ نوٹ کیا ہے۔ وہ میں آپ کے سامنے پیش کررہی ہوں۔ توجہ فرمائیں۔"

اس عورت نے فائل کے پہلے صفحے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "جب پروفیسر نے مسٹر کمال طارق کو پوری طرح اپنا معمول بنالیا تو اسے تحکمانہ انداز میں کہا۔ مسٹر طارق! تم میرے معمول' مطیع اور فرماں بردار ہو۔ میں جو سوال کروں گا اس کا صحیح جواب دو گے۔"

مسٹر طارق نے جواب دیا۔ "میں تمہارے ہر سوال کا صحیح جواب دوں گا۔"

"سوال یہ ہے کہ کسی بھی معاشرے کے تمام افراد نیک اور شریف نہیں ہوتے۔ کچھ اچھے ہوتے ہیں اور کچھ بُرے ہوتے ہیں۔ کچھ ذہین ہوتے ہیں' کچھ کند ذہن ہوتے ہیں اور کچھ بہادر ہوتے ہیں' کچھ بزدل ہوتے ہیں۔ اسی مناسبت سے وہ سب اپنے اپنے مزاج کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ تو معاشرہ میں مختلف مزاج کے لوگ نظر آتے ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ایک معاشرے کے سبھی افراد ہم مزاج ہوں۔ مسٹر کمال طارق! میں تم سے سوال کرتا ہوں۔ اس کا تفصیلی جواب دو کہ تمہارے پاکستانی معاشرے کے تمام افراد

ہم مزاج کیسے بن گئے۔"

مسٹر کمال' طارق نے جواب دیا۔ "دنیا کا ہر مذہب یہ سکھاتا آیا ہے کہ اگر نیک ہدایات پر عمل کیا جائے تو معاشرے کے تمام افراد نیک اور شریف بن سکتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مذہب نیکی کا درس کبھی نہ دیتا۔ ہمارے اسلام میں بھی رسول اللہ ﷺ نے سمجھایا ہے' اپنے کردار سے اور قرآنی آیات سے اتنی نیک ہدایتیں دی ہیں کہ ان پر عمل کیا جائے تو زندگی کے ہر شعبے میں انسان ایک کامیاب زندگی گزار سکتا ہے لیکن اس سلسلے میں ایک بنیادی سوال یہ پیدا ہوا کہ انسان نیک ہدایات پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ جب اس سوال کا جواب ڈھونڈا گیا تو پتہ چلا کہ ہربات' ہرہدایت محبت سے سمجھ میں آتی ہے۔ اگر انسان کے دماغ میں محبت کی فراوانی ہوتو وہ تمام ہدایات کو سمجھ کر اس پر عمل کرسکتا ہے۔ محبت سے ان ہدایات کو اپنا سکتا ہے۔ اس طرح سوچ بچار کے دوران ہمارے دماغ میں پچوٹری غدود کا خیال آیا۔"

پروفیسر نے سوال کیا۔ "کیا وہی پچوٹری غدود جس کا ذکر آٹھ سال پہلے پروفیسر جان للّی نے اپنے ایک مقالے میں کیا تھا؟"

"جی ہاں! وہی پچوٹری غدود۔ اتفاق سے ہمارا ایک پاکستانی ماہرِ نفسیات پروفیسر جان للّی کا اسسٹنٹ تھا اور وہ اس کے ساتھ پچوٹری غدود کی تحقیقات میں پندرہ سال تک برابر شریک رہا تھا۔ ہمارے اس پاکستانی ماہرِ نفسیات کو اس غدود کے متعلق تمام معلومات حاصل تھیں اور ان معلومات سے ہمارے ملک نے فائدہ اٹھالیا۔ اس پر ضروری تجربات کئے۔ تحقیقات ہوتی رہیں اور اس طرح ہم نے اسی غدود کے ٹیکے اور کیپسول تیار کرلئے۔"

پروفیسر نے سوال کیا۔ "پچوٹری غدود کے ذریعے معاشرے کی اصلاح کیسے ہوگئی؟"

"پچوٹری غدود کے ذریعے دماغوں میں محبت کی کمی کو پورا کیا گیا ہے۔ اب ہر پاکستانی باشندے کے دل و دماغ میں محبت کے جذبے موجزن رہتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے کام آنے کی لگن میں رہتے ہیں۔ ہر لحہ یہ خیال رہتا ہے کہ کسی کو ان کی ذات سے نقصان نہ پہنچے۔ لوگ ایک دوسرے کی حفاظت کرتے ہیں ایک دوسرے کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانے کی کوششیں کرتے ہیں اور ان کی ان کوششوں کے نتیجے میں معاشرہ خوبصورت ہوتا چلا جارہا ہے۔"

"لیکن پاکستان کے کروڑوں باشندوں کے دماغ میں پچوٹری غدود کیسے پہنچائے گئے ہیں۔"

"اس طرح کہ جیسے بچے کی پیدائش کے بعد چیچک کے' پولیو کے' اور ہیضے کے ٹیکے لگائے جاتے ہیں۔ اسی طرح ہر بچے کو پچوٹری غدود کا ٹیکہ لگایا جاتا ہے۔ بڑی عمر کے لوگوں کے لئے ہر علاقے' ہر محلے میں ایک چھوٹا سا پچوٹری ہسپتال کھلا ہوا ہے۔ وہاں ہر ایک کا شناختی کارڈ اور راشن کارڈ وغیرہ چیک کیا جاتا ہے اور اس کے ذریعے ان لوگوں کو طلب کیا جاتا ہے۔ ان کا طبی معائنہ ہوتا ہے اور انہیں ایک پچوٹری کارڈ بنا کر دیا جاتا ہے جس کے ذریعے پتہ چل جاتا ہے کہ کس نے پچوٹری ٹیکہ نہیں لیا ہے یا پچوٹری کیپسول نہیں کھایا ہے۔ جو ایسا نہیں کرتے ہیں' انہیں سمجھا بجھا کر ٹیکہ لگا دیا جاتا ہے۔ یا کیپسول کھلا دیا جاتا ہے' یہ ٹیکہ یا کیپسول پانچ سال کے لئے کافی ہوتا ہے۔"

پروفیسر نے سوال کیا۔ "کیا یہ لوگوں کے ساتھ زبردستی نہیں ہے؟"

"ہرگز زبردستی نہیں ہے۔ اگر ایک انسان کا دماغ کمزور ہوتا ہے تو ڈاکٹر اور حکیم اسے سمجھاتے ہیں کہ وہ بادام کھایا کرے۔ مقوی غذائیں استعمال کیا کرے تاکہ دماغ سوچنے' سمجھنے' لکھنے پڑھنے اور کام کرنے کے قابل ہو۔ جب دماغی قوت کے لئے دوائیں کھائی جاتی ہیں تو محبت کی فراوانی کے لئے دوا کا استعمال کرنا جرم یا زبردستی تو نہیں ہے۔ آج کا پاکستانی معاشرہ اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ وہاں ظلم اور تشدد نہیں ہے۔ وہاں امن سلامتی اور محبت ہی محبت ہے۔"

پروفیسر نے پھر ایک سوال کیا۔ "مسٹر کمال طارق! یہ تو تم نے اپنے پاکستانی باشندوں کے متعلق بتایا ہے لیکن جو لوگ بیرونِ ملک سے پاکستان جاتے ہیں وہ پاکستان کے وفادار کیسے بن جاتے ہیں؟ ہمارے سفارت خانے کے لوگوں نے کبھی یہ شکایت نہیں کی کہ انہیں زبردستی یا سمجھا بجھا کر پچوٹری ٹیکے لگائے گئے ہوں۔"

کمال طارق نے جواب دیا۔ "باہر والوں کو کبھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ انہیں کس طرح پچوٹری ٹیکے لگائے گئے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ بین الاقوامی قوانین کے مطابق جب کوئی ایک ملک سے دوسرے ملک کی زمین پر پہنچتا ہے تو ایئر پورٹ یا بندر گاہ میں اسے حفاظتی ٹیکے لگائے جاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں جو لوگ باہر سے آتے ہیں۔ ہم انہیں دوسرے حفاظتی ٹیکوں کے علاوہ پچوٹری ٹیکہ بھی لگا دیتے ہیں اور یہ بات ظاہر نہیں کرتے کیونکہ محبت کو ایک دل سے دوسرے دل میں منتقل کرنا کوئی جرم نہیں ہے بلکہ ایک نیکی ہے اور وہ نیکی ہم بغیر احسان جتائے کر لیتے ہیں۔ ہمارے ملک میں آنے والا کوئی غیر ملکی یہ شکایت نہیں کر سکتا کہ ہم نے اس کے ساتھ نیکی کی ہے اور اسے محبت کرنا سکھایا ہے۔"

پروفیسر نے پوچھا۔ "ہمیں پاکستانی معاشرے کے متعلق تفصیل سے بتاؤ۔"

کمال طارق آہستہ آہستہ بتانے لگا۔ کہنے لگا۔ "پاکستانی معاشرہ اتنا خوبصورت ہو گیا ہے کہ اس کی تفصیل زبان سے بیان نہیں کی جاسکتی۔ وہاں جو کچھ ہو رہا ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ لوگوں کے لئے ایک مثال ہے۔ ایک سبق ہے۔ ہمارا ملک' ہمارا ملک.......... ہمارا ملک.........."

اس عورت نے فائل کو بند کرتے ہوئے کہا۔ "معزز حاضرین! اس کے بعد کمال طارق کی آواز دھیمی ہوتے ہوتے بالکل معدوم ہو گئی۔ وہ پروفیسر کے سوال پر آگے کچھ نہ بول سکا۔ شاید اس لئے کہ وہ کل سے بھوکا پیاسا تھا اور دماغی طور پر اس قدر کمزور ہو گیا تھا کہ بولنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔ وہ ہپناٹزم کی قوت کے زیر اثر زبردستی بولتا جا رہا تھا لیکن جبر کی بھی ایک حد ہوتی ہے جب کمال طارق اس حد سے گزر گیا تو اس کی آواز مر گئی۔ تھوڑی دیر بعد پروفیسر نے اسے ٹٹول کر معلوم کیا کہ اس کی آواز کے ساتھ اس کا دماغ اور اس کا جسم بھی مر چکا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی۔ تھوڑی دیر تک اس کمرے میں گہرا سناٹا چھایا رہا۔ پھر ڈائریکٹر جنرل نے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ "اس رپورٹ کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اب ہمارے جاسوسوں کو پاکستان میں اس طرح سے داخل ہونا چاہئے کہ انہیں پچوٹری ٹیکے نہ لگائے جاسکیں اور دھوکے سے کیپسول نہ کھلایا جائے۔"

کسی نے کہا۔ "پاکستان کی سرحدیں بہت محفوظ اور مستحکم ہیں۔ کوئی پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ چند سال پہلے جو اسمگلر سرحدوں کے پاس ملک کی معیشت کو تباہ کر رہے تھے۔ وہ اسمگلر بھی پچوٹری ہو گئے ہیں۔"

ایک فوجی نے کہا۔ "پاکستان کی طرح اور بھی ایسے ملک ہیں جن کے فوجی بہت ہی فرض شناس اور مستعد ہوتے ہیں۔ کسی اسمگلر کو' کسی ملک دشمن کو اپنی سرحد میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔ اس کے باوجود سرحدیں شمال سے جنوب اور مغرب سے مشرق تک اتنی دور تک پھیلی ہوئی ہیں کہ کہیں سے بھی سرنگ بنا کر یا جنگل جھاڑیوں سے نکل کر کسی بھی ملک کے اندر پہنچا جاسکتا ہے اگر کسی کو پہنچانا مقصود ہو تو یہ کام میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ جتنے آدمی کہو گے اتنے میں پاکستان کے اندر پہنچا دوں گا لیکن میری ایک شرط ہے۔"

سب نے اس فوجی کی طرف دیکھا۔ اس نے کہا۔ "شرط یہ ہے کہ جو جاسوس یہاں

سے بھیجے جائیں' وہ ایشیائی ہوں۔ خصوصاً ہندوستانی یا پاکستانی ہوں تاکہ وہ وہاں کے ماحول میں' وہاں کے لوگوں میں اور وہاں کی تہذیب میں گھل مل جائیں۔ ہمارے جیسے غیر ملکی وہاں پہنچتے ہی کہیں نہ کہیں گرفت میں آجائیں گے۔"

اس ملک کے سربراہ نے تائید میں سرہلاتے ہوئے کہا۔ "بے شک ہمارے ملک میں برسوں سے ایسے پاکستانی اور ہندوستانی آباد ہیں جو ہمارے ملک کے وفادار ہیں۔ وہ دولت اور بڑے عہدے کے لالچ میں ہمارے کام آسکتے ہیں۔"

فوجی افسر نے کہا۔ "جناب ایک بات اور ہے یہ پاکستانی ان آٹھ برسوں میں اپنے رشتہ داروں سے ملنے کے لئے ضرور اپنے ملک گئے ہوں گے انہیں ضرور پچوٹری ٹیکے لگائے گئے ہوں گے۔ اس طرح یہ لوگ اپنے ملک کے وفادار ذہنی طور پر بن گئے ہوں گے لہٰذا انٹیلی جنس والوں کا یہ فرض ہے کہ وہ ایسے پاکستانیوں کو ڈھونڈ نکالیں جو پچھلے دس برسوں میں کبھی اپنے وطن کی طرف نہ گئے ہوں۔ ایسے ہی لوگوں کو ہم اپنے کام میں لاسکتے ہیں۔"

انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر جنرل نے کہا۔ "میں ایسے لوگوں کو ڈھونڈ نکالوں گا اور وہ ایسے ذہین' شاطر اور حاضر دماغ ہوں گے کہ پاکستان میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے جعلی پچوٹری کارڈ بنوائیں گے جس کے ذریعے یہ ثابت ہوجائے گا کہ انہیں پچوٹری ٹیکے لگا دیئے گئے ہیں یا کیپسول کھلا دیئے گئے ہیں۔ اس طرح وہ پچوٹری حملے سے محفوظ رہیں گے۔"

اجلاس میں بیٹھے ہوئے ایک دانشور نے کہا۔ "اس دنیا میں جب بھی محبت کا ایک نیا انداز پیدا ہوتا ہے تو نفرت کے ہزاروں ہتھیار ایجاد ہوجاتے ہیں۔ اگر پچوٹری غدود کے ذریعے انسانی دماغ میں محبت کی فراوانی ہوجاتی ہے تو ہمارے علم الاجسام کے ماہرین انسان میں نفرت اور حرص اور ہوس کے غدود بھی دریافت کرسکتے ہیں اور یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ جب ایک چیز ایجاد ہوتی ہے تو اس کے توڑ میں دوسری چیز کے ایجاد ہونے میں زیادہ وقت نہیں لگتا۔ ہمارے ملک کے ماہرِ نفسیات' علم الاجسام کے ماہرین' ڈاکٹرز اور سائنسدان یہ سب مل کر جی جان سے کوشش کریں تو حرص و ہوس کے غدود فوری طور پر دریافت ہوں گے اور اس کے ٹیکے اور کیپسول بھی تیار کئے جاسکیں گے۔"

اس دانشور کی اس بات پر سب متفق ہوگئے۔ ان کا متفقہ فیصلہ یہ تھا کہ گھر کا بھیدی لنکا ڈھاتا ہے۔ لہٰذا پاکستان کے اندر تخریبی کارروائیوں کے لئے بیرون ملک کے

پاکستانیوں کو بڑی سے بڑی قیمت اور لالچ دے کر خریدا جائے۔ دوسرا فیصلہ یہ تھا کہ پچوٹری غدود کے جواب میں ایسے منفی غدود دریافت کئے جائیں جن سے پچوٹری غدود کی کارکردگی کمزور پڑ جائے۔ جب محبانِ وطن کے کردار کمزور' عقائد مشکوک اور نظریات بے جان ہوجائیں گے تو پاکستان کو بین الاقوامی منڈیوں میں آسانی سے خریدا جاسکے گا۔

☆======☆======☆

رات کے دو بجے وہ لانچ ساحل پر آکر کھڑی ہوگئی۔ گہری تاریکی ہر طرف چھائی ہوئی تھی۔ وہ لوگ ٹارچ کی محدود روشنی میں یکے بعد دیگرے لانچ سے اترنے لگے۔ وہ تعداد میں بارہ تھے۔ ان میں آٹھ مرد تھے۔ ایک ادھیڑ عمر کی عورت تھی اور تین نوجوان لڑکیاں تھیں۔ تینوں لڑکیاں بے حد خوبصورت تھیں۔ وہ سب کے سب ذہین' تعلیم یافتہ اور موقع شناس تھے۔ ان کے آباؤ اجداد تقریباً تیس' چالیس برس پہلے سے ہندوستان اور پاکستان کو چھوڑ کر بیرونِ ملک میں آباد ہوگئے تھے۔ اس لئے وہ سب مغربی تہذیب کے سانچوں میں ڈھلے ہوئے تھے۔ مشرقیت ان میں برائے نام تھی اور حُب الوطنی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ کبھی انہوں نے وطن کی مٹی کو چھُو کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ چونکہ مٹی کی عظمت کو نہیں سمجھتے تھے۔ اس لئے وطن کو مٹی میں ملانے آئے تھے۔

وہ سب ایک سیاہ فام گول مٹول سے آدمی کی رہنمائی میں آگے بڑھنے لگے۔ اس سیاہ فام نے بتایا کہ کراچی شہر وہاں سے پینسٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ سات کلومیٹر کے فاصلے پر ایک ریسٹ ہاؤس ہے جہاں راحت عزیزی صاحب ان آنے والوں کا انتظار کر رہے ہیں۔

راحت عزیزی کا اصل نام کچھ اور تھا۔ وہ بھی بیرون ملک سے ایک جاسوس کی حیثیت سے آیا تھا۔ چند ماہ پہلے اس نے ایک سرکاری افسر راحت عزیزی کو قتل کرکے اس کی جگہ لے لی تھی۔ وہ ایسا زبردست بہروپیا تھا کہ دوسرے سرکاری افسروں کو اس پر شبہ نہ ہوسکا۔ وہ اور اس کی ساتھی عورت' مسٹر اور مسز راحت عزیزی کے نام سے پہچانے جاتے تھے۔

سات کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ لوگ ریسٹ ہاؤس میں پہنچ گئے۔ وہاں مسٹر اینڈ مسز راحت عزیزی نے ان کا استقبال کیا۔ ریسٹ ہاؤس کے چاروں طرف ویرانی اور سناٹا تھا۔ سامنے دو ویگن کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ ریسٹ ہاؤس کے تین کمرے تھے۔

ایک میں مسٹر اینڈ مسز راحت عزیزی کا قیام تھا۔ دوسرے میں مہمان ٹھہرائے گئے اور تیسرے کمرے میں چار لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔

راحت عزیزی نے اپنے ایک ساتھی کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔ "مسٹر بابر! آج سے تم بابا خیرالدین کی حیثیت سے زندگی گزارو گے اور اس بوڑھی کا نام صابرہ بیگم ہے۔" راحت عزیزی نے ایک ادھیڑ عمر کی عورت کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔ "اسماء آج سے تم صابرہ بیگم کے روپ میں رہو گی۔ یہ جو نوجوان لڑکے کی لاش ہے اس کا نام رضی الدین ہے۔ مسٹر! تم آج سے رضی الدین بن کر رہو گے اور یہ نوجوان لڑکی اس کا نام سلیقہ ہے لہٰذا مِس للی تم سلیقہ کا رول ادا کرو گی۔"

بابا خیرالدین کا رول ادا کرنے والے بابر نے سوال کیا۔ "ہمیں یہ بتایا جائے کہ کیا ہم چاروں اِن چاروں کے میک اپ میں رہا کریں گے؟"

راحت عزیزی نے کہا۔ "بالکل نہیں۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر پلاننگ کی ہے۔ بابا خیرالدین کا یہ مختصر سا خاندان لاہور چھوڑ کر کراچی میں آباد ہونے کے لئے آرہا تھا۔ مجھ سے خط و کتابت رہی کیونکہ یہ میرے ہی محکمے سے تعلق رکھتا تھا۔ میں نے ہی اسے کراچی آنے کے لئے کہا۔ یہاں یہ خاندان کراچی والوں کے لئے بالکل اجنبی ہے۔"

سوال کیا گیا۔ "کیا ان کے شناختی کارڈوں سے ہم پہچانے نہیں جائیں گے؟"

"بالکل نہیں۔ تمہاری اپنی تصویروں کے ساتھ تم لوگوں کے شناختی کارڈ میرے پاس تیار ہیں اور تم اپنے اصلی چہروں کے ساتھ ہی باباخیر الدین' صابرہ بیگم' رضی الدین اور مس سلیقہ کے نام سے کراچی شہر میں رہو گے۔"

پھر سوال کیا گیا۔ "اگر لاہور کے جاننے والے یہاں خیرالدین کو نہ پائیں گے تب کیا ہوگا؟"

"یہ خاندان والے اتنے مشہور نہیں تھے اور نہ ہی ان کا حلقہ احباب وسیع تھا۔ یہ لوگ یہاں بالکل اجنبی ہیں۔ اگر لاہور سے کبھی کوئی آئے گا تو پہلے انہیں تلاش کرے گا کہ اتنے بڑے شہر میں یہ خاندان کہاں رہتا ہے۔ اگر ایسی کوئی بات ہوگئی اور بھانڈا پھوٹنے والا ہوگا تو اس وقت تک فرار کا دوسرا راستہ نکالا جائے گا۔ ورنہ جب تک اس خاندان کے نام سے ہم اپنا کام کرسکتے ہیں' کرتے رہیں گے۔"

راحت عزیزی نے دوسرے جوانوں کو حکم دیا کہ ریسٹ ہاؤس سے ذرا دور جاکر گڑھا کھودیں اور ان لاشوں کو اس میں دبادیں۔ اس کے بعد وہ وہاں سے چلیں گے' باقی

آٹھ افراد جو رہ جائیں گے انہیں لاہور بھیجا جائے گا لیکن اس سے پہلے راحت عزیزی انہیں اپنے مکان میں چھپا کر رکھے گا' اور انہیں ٹریننگ دے گا کہ لاہور میں انہیں کس حیثیت سے رہنا ہے اور کیسے رہنا ہے؟ چند روز کی ٹریننگ کے بعد انہیں لاہور میں اپنے ایک خاص آدمی کے پاس بھیج دیا جائے گا۔

صبح چھ بجے سے پہلے گڑھا وغیرہ کھود کر لاشوں کو دفن کر دیا گیا۔ پھر وہ لوگ دو ویگن کاروں میں بیٹھ کر شہر کی طرف روانہ ہوگئے۔ راستے میں راحت عزیزی نے ایک اٹیچی کھول کر چار عدد شناختی کارڈ نکال کر اپنے چاروں ساتھیوں میں تقسیم کرتے ہوئے کہا۔ "اپنے اپنے شناختی کارڈ اور ان کے نمبر وغیرہ پڑھ لو۔ اس میں تمہاری تاریخ پیدائش وغیرہ سب کچھ درج ہے۔"

اس کے بعد اس نے ان چاروں کو پچوٹری کارڈ تقسیم کئے ان کارڈوں کی رُو سے بابا خیرالدین' صابرہ بیگم' رضی الدین اور مس سلیقہ کو پچوٹری ٹیکے لگائے جاچکے تھے اور انہیں آئندہ پانچ سال تک ٹیکے لگانے یا کیپسول کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کارڈوں کے ساتھ ان کی میڈیکل رپورٹ بھی درج تھی کہ وہ لوگ ہر چھ مہینے میں ایک بار طبی معائنے سے گزرتے آئے ہیں لہٰذا آئندہ چھ ماہ تک بھی انہیں کسی قسم کے طبی معائنے کی ضرورت نہیں تھی۔

پھر راحت عزیزی نے کہا۔ "ویگن کار کے پچھلے حصے میں ایک بڑا سا سوٹ کیس رکھا ہوا ہے۔ اس میں تم چاروں کے لباس رکھے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ ضروری کاغذات مثلاً رضی الدین کے تعلیمی سرٹیفکیٹ ہیں۔ رضی الدین کی تعلیم مکمل ہوچکی ہے' اور سلیقہ! تم نے اپنی تعلیم مکمل نہیں کی کیونکہ تمہاری یادداشت بہت کمزور ہے۔ میڈیکل رپورٹ میں لکھا ہوا ہے۔ اس لئے تم پڑھ نہیں سکتیں۔ بہت سی باتیں بھول جاتی ہو اور یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ یہاں عجیب وغریب باتیں دیکھ کر تم کبھی حیرانی کا اظہار کرو گی تو دوسرے یہ سمجھ کر خاموش ہوجائیں گے کہ تم ہزار بار یہاں کے ماحول کو دیکھنے کے بعد بھی ان باتوں کو بھول گئی ہو۔"

سلیقہ نے پوچھا۔ "کیا ہمارے مختصر خاندان کا یہی ایک بڑا سا سوٹ کیس ہے جو پیچھے رکھا ہوا ہے جب کہ یہ خاندان لاہور سے یہاں آرہا ہے تو گھر کا پورا سامان ہونا چاہئے۔"

راحت عزیزی نے کہا۔ "یہی باتیں تو تم لوگوں کے سمجھنے کی ہیں۔ یہاں ایک شخص بھی جائیداد یا گھریلو سامان جمع کرنے کا شوقین نہیں ہے۔ اس ملک میں جتنے مکانات ہیں'

سب سرکاری ہیں۔ ہر مکان میں فرنیچر اور زندگی کی ضرورت کا دوسرا سامان موجود رہتا ہے۔ کوئی بھی کسی مکان میں جاکر رہ سکتا ہے۔ یہاں جو بڑی بڑی بلڈنگیں تھیں' ان میں بھی مختلف خاندانوں کو آباد کردیا گیا ہے۔ جو لوگ دولت مند تھے' وہ اب دولت اپنے پاس رکھنا نہیں چاہتے۔ ان کا کہنا ہے کہ دولت ہمارے دوسرے بھائیوں کے کام آنی چاہئے۔ ہم تنہا مال و دولت سمیٹ کر کیا کریں گے۔ یہ سب محبت کا جذبہ ہے جو اپنی دولت دوسروں پر لٹانے پر مجبور کرتا ہے۔"

بابا خیرالدین کا رول ادا کرنے والے نے کہا۔ "تعجب ہے' مجھے دولت ملے تو میں سب کی سب سمیٹ کر رکھ لوں۔"

راحت عزیزی نے کہا۔ "تم دولت کہاں رکھو گے؟ اب پورے پاکستان میں تمام بینک سرکاری ہیں۔ لوگ روزانہ جو کماتے ہیں' وہ اپنے طور پر ضرورت کے مطابق خرچ کرتے ہیں۔ جو بچ جاتا ہے وہ سرکاری بینکوں میں لے جاکر جمع کردیتے ہیں۔ کسی کے نام کا اکاؤنٹ نہیں ہے کہ کس نے کتنی رقم جمع کی ہے۔ کیونکہ اگر کوئی ناگہانی ضرورت پیش آجائے تو انہیں حکومت کی طرف سے اچھی خاصی مالی امداد مل جاتی ہے۔"

صابرہ بیگم کا رول ادا کرنے والی ادھیڑ عمر کی عورت نے کہا۔ "پھر بھی کتنی جلدی مالی امداد مل سکتی ہے۔ اگر کوئی اچانک ہی بُری طرح بیمار پڑ جائے تو؟"

"تو یہاں کے تمام بڑے اور چھوٹے ہسپتالوں میں مفت علاج ہوتا ہے۔"

"لیکن کوئی آپریشن کا مسئلہ ہو جس میں زیادہ سے زیادہ رقم کی ضرورت ہو؟"

"خواہ ہزاروں روپے کی ضرورت پیش آئے۔ ہسپتال والے کبھی مریض سے ایک پیسہ بھی طلب نہیں کریں گے۔ یہ سب کچھ سرکار کی طرف سے ہوتا ہے۔ ڈاکٹر اب وہ پہلے جیسے ڈاکٹر نہیں رہے کہ علاج کے لئے دوائیں تجویز کیں اور نسخہ لکھ کر دے دیا کہ بازار سے خرید لو۔ ساری دوائیں ہسپتال سے ہی دستیاب ہو جاتی ہیں۔"

رضی الدین نے کہا۔ "پھر بھی فاضل اخراجات کے لئے فاضل رقم کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً میں جیسے نماز پڑھنے کے لئے ایک جناح کیپ پہنتا ہوں لیکن ایک فلیٹ ہیٹ بھی خریدنا چاہتا ہوں' تب کیا ہوگا؟"

"تب یہ ہوگا کہ تمہاری اپنی روزانہ کی آمدنی میں سے جو رقم بچتی ہے وہ رقم تم سرکاری بینک میں جمع کرنے کے بجائے اس سے ایک فلیٹ ہیٹ خرید لوگے۔"

"اگر میں دو فلیٹ ہیٹ خریدنا چاہوں' تو؟"

"یہاں ہر ہفتے' ہر گھر میں زنانہ پولیس کی عورتیں آتی ہیں' گھر کے اندر کا جائزہ لیتی ہیں۔ اگر تمہارے گھر میں دو عدد فلیٹ ہیٹ ہوں گے تو وہ ایک فلیٹ ہیٹ اٹھا کر لے جائیں گی اور اسے سرکاری اسٹور میں جمع کروا دیں گی۔"

سلیقہ نے کہا۔ "مرد یہ برداشت کر لیتے ہیں۔ اپنے شوق کی ایک ہی چیز پر گزارہ کر لیتے ہیں لیکن عورتیں تو مختلف قسم کے زیورات چاہتی ہیں۔ زیورات کا ایک سیٹ ہو تو دوسرے سیٹ کی بھی تمنا ہوتی ہے۔"

راحت عزیزی نے کہا۔ "یہ بھی کوئی مشکل بات نہیں ہے اگر تمہارے پاس زیورات کا ایک سیٹ ہے اور تم نے اسے پہن لیا ہے اور آئندہ اسے پہننا نہیں چاہتیں۔ کوئی نیا سیٹ پہننا چاہتی ہو تو اپنا پرانا سیٹ دکان دار کو دے کر اس سے دوسرا نیا سیٹ لے کر آ سکتی ہو لیکن بیک وقت زیورات کے دو سیٹ اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتیں۔ رکھو گی تو زنانہ پولیس کی عورتیں ایک سیٹ اٹھا کر لے جائیں گی اور اسے بھی سرکاری اسٹور میں جمع کرا دیں گی۔"

"یعنی یہاں پابندیوں میں رہ کر اپنی آرزوئیں پوری کی جا سکتی ہیں۔"

"ہاں! یہاں تم اپنی ہر آرزو پوری کر سکتی ہو۔ ایک سے ایک بہترین لباس پہن سکتی ہو۔ طرح طرح کے زیورات پہننے کا شوق پورا کر سکتی ہو' جیسا چاہو ویسا فیشن کر سکتی ہو۔ کسی قسم کی یہاں پابندی نہیں ہے۔ پابندی صرف اتنی ہے کہ ایک وقت میں تمہارے پاس صرف ایک ہی چیز رہے۔ کوئی عورت کسی دوسری عورت کے سامنے یہ دعویٰ نہ کرے کہ اس کے پاس زیورات کے دو یا دس سیٹ ہیں اور دو ساڑھیاں ہیں۔ کوئی مرد یہ غرور نہ کرے کہ اس کا لاکھوں روپے کا بینک بیلنس ہے اور سینکڑوں ایکڑ زمینوں کا مالک ہے یہاں کوئی اپنی جائیداد پر فخر نہیں کر سکتا۔ یہاں ملکیت کے تصور کو بالکل فنا کر دیا گیا ہے۔ یہاں جو کچھ ہے وہ سب کا ہے اور سب کے لئے لازم ہے کہ وہ چیزوں کو محدود انداز میں صرف اپنی ضرورت کے مطابق استعمال کریں۔ ایک سے زیادہ کی ہوس نہ کریں۔"

اب وہ کراچی شہر میں داخل ہو گئے تھے۔ ان کی گاڑی ایک کشادہ سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ سڑک کے اطراف دور تک بڑے بڑے خوبصورت مکانات نظر آ رہے تھے۔ تمام مکانات اور دکانیں ایک ہی ڈیزائن کی تھیں اور دکانیں سب کی سب کھلی ہوئی تھیں۔

راحت عزیزی نے کہا۔ "یہ ساری دکانیں رات بھر اسی طرح کھلی رہتی ہیں اور دکاندار

اپنے گھر جا کر سو جاتے ہیں۔"

رضی الدین نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا یہاں پر چوری کا ڈر نہیں ہے؟"

"چوری کون کرے گا اور کس لئے کرے گا؟ جب ساری ضروریات پوری ہو جاتی ہیں اور ضرورت سے زیادہ سامان کوئی اپنے گھر میں رکھ نہیں سکتا تو وہ چوری کر کے چوری کا مال کہاں لے جائے گا؟"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر راحت عزیزی نے کہا۔ "دراصل تم لوگ پہلی بار اس ماحول کے مطابق معلومات حاصل کر رہے ہو۔ اس لئے ایسے سوالات کرتے ہو۔ تم ذرا غور کرو کہ جن کے دماغوں میں محبت ہی محبت بھری ہو' وہ کسی طرح دوسرے کا مال چوری کر کے اسے نقصان کیسے پہنچائیں گے؟ وہ تو محبت سے سوچیں گے کہ اس کا نقصان نہ ہو بلکہ ہماری ذات سے ان کو فائدہ پہنچے۔ تو ایسی صورت میں چوری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔"

خیرالدین نے کہا۔ "یہ ٹھیک ہے کہ محبت کی عینک لگا کر دیکھا جائے' سوچا جائے اور عمل کیا جائے تو چوری' بے ایمانی' حرص و ہوس اور دشمنی سب کچھ ختم ہو جاتی ہے۔ پھر بھی کچھ لوگ نفسیاتی مریض ہوتے ہیں۔ عادتاً کوئی چیز دکان سے اٹھا کر یا کسی کے گھر سے اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ ایسے نفسیاتی مریض کا کیا کیا جاتا ہے؟"

"جیسا کہ تم لوگوں کے پاس میڈیکل رپورٹ کا کاغذ موجود ہے۔ اسی طرح ہر ایک کی میڈیکل رپورٹ میں یہ بات درج ہوتی ہے کہ وہ نفسیاتی مریض ہے یا نہیں۔ جو لوگ نفسیاتی مریض ہوتے ہیں انہیں چوری کرنے کی اجازت دے دی جاتی ہے۔"

خیرالدین نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا سرکاری طور پر چوری کی اجازت دی جاتی ہے؟"

"ہاں! اس لئے دی جاتی ہے کہ جب وہ چوری کر کے کوئی چیز اپنے گھر میں لا کر رکھتا ہے تو زنانہ پولیس کی عورتیں وہ چیز اٹھا کر پھر سرکاری اسٹور میں جمع کرا دیتی ہیں۔"

وہ سوسائٹی کے علاقے میں پہنچ گئے۔ وہاں بڑی بڑی شاندار کوٹھیاں نظر آ رہی تھیں۔ سلیقہ نے پوچھا۔ "یہاں تو دولت مندی کے آثار نظر آ رہے ہیں؟"

راحت عزیزی نے کہا۔ "بالکل نہیں! یہاں جو لوگ آباد ہیں ان کے پاس بھی روزانہ کی وہی آمدنی ہے جو ایک عام آدمی کے پاس ہوتی ہے۔ تم کسی بھی کوٹھی میں جا کر دیکھ لو۔ اگر کوٹھی کے نچلے حصے میں ایک خاندان آباد ہے تو دوسری منزل پر دوسرا خاندان

نظر آئے گا یعنی کوٹھی کسی کی ملکیت نہیں ہے۔"

"لیکن ان کوٹھیوں کی اندرونی سجاوٹ تو دوسرے مکانوں سے بہتر ہو گی؟"

"ہرگز نہیں۔ تم اپنے مکان کو بھی اسی طرح سجا بنا کر رکھ سکتے ہو۔ پردے بدل سکتے ہو۔ سال چھ مہینے میں صوفے بدل سکتے ہو۔ یہاں جتنی دکانیں ہیں' تم اپنے گھر کی کوئی چیز لے جا کر وہاں سے تبادلے پر دوسری چیز لا سکتے ہو۔"

"پھر دکاندار کو کیا فائدہ پہنچے گا؟"

"دکاندار ہوتے کہاں ہیں۔ جتنی بھی دکانیں ہیں وہاں سب سرکاری ملازم ہیں۔ یہاں دکانداری اور منافع خوری کا تصور ہی نہیں ہے۔ ایک قصاب گوشت تولتے وقت اس میں زیادہ ہڈیاں نہیں ڈالے گا کیونکہ وہ سرکار کی طرف سے تولتا اور بیچتا ہے۔ وہ جو کچھ کمائے گا وہ سرکاری خزانے میں جائے گا۔ قصاب کو یا سبزی فروش کو یا کسی بھی دکاندار کو روزانہ کی اجرت ملتی ہے؟"

خیرالدین نے پیچھے مڑ کر سڑک کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "وہ دوسری گاڑی کہاں ہے؟ ہمارے دوسرے ساتھی کہاں چلے گئے؟"

راحت عزیزی نے کہا۔ "انہیں میری بیگم اپنے مکان میں لے گئی ہے۔ تم لوگوں کو ناظم آباد کے ایک مکان میں پہنچایا جائے گا۔ وہ مکان پہلے ہی تم لوگوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ خیرالدین نے لاہور سے یہاں کے رہائشی مکانوں کے افسر کے نام درخواست بھیجی تھی کہ وہ کراچی میں آ کر قیام کرنا چاہتا ہے اس کے لئے وہ مکان الاٹ کر دیا گیا تھا۔ اب تم لوگ اسی مکان میں رہو گے۔"

ان کی گاڑی ناظم آباد کی طرف جانے لگی۔ سلیقہ گاڑی کے دونوں طرف دیکھتی جا رہی تھی۔ سڑکوں کے اطراف میں بہت ہی چہل پہل نظر آ رہی تھی۔ صاف ستھرے مکانات اور دکانیں تھیں' گلیاں اتنی صاف ستھری نظر آ رہی تھیں کہ کچرے کے طور پر ایک تنکا بھی کہیں نظر نہیں آتا تھا۔ انسانوں کے چہرے دھلے ہوئے' تر و تازہ دکھائی دیتے تھے۔ اگرچہ سلیقہ انہیں قریب سے نہیں دیکھ رہی تھی لیکن حُسن دور سے بھی نظر آ جاتا ہے۔ وہ لوگ جو سڑک کے کنارے چلتے پھرتے نظر آ رہے تھے۔ وہ خوش لباس بھی تھے اور خوش مزاج بھی لگ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ایک نئی دنیا میں چلی آئی ہو۔ ایسی جگہ جسے بلاشبہ جنت کہا جا سکتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جنت میں شیطان کا گزر نہیں ہوتا لیکن اس کی ایجنٹ عورت کا گزر

ہوتا ہے۔ جو اسے بہلا پھسلا کر شجرِ ممنوعہ کی طرف لے جاتی ہے اور اس جنت میں سلیقہ پہنچ گئی تھی۔

☆======☆======☆

دنیا کے ہر ملک میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو خدمتِ خلق کے لئے اپنی زندگی وقف کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگ کسی بھٹکے ہوئے کو راستہ دکھا کر گھر تک پہنچا دیتے ہیں' کسی بیمار کو ہسپتال پہنچا کر اس کا علاج کراتے ہیں۔ کسی ضرورت مند کی ضرورت پوری کر دیتے ہیں کسی مجبور کی مجبوری دُور کر دیتے ہیں اور اس کے صلے میں وہ ایک پیسہ بھی معاوضے کے طور پر کسی سے نہیں لیتے۔ نہ ہی کسی پر احسان جتاتے ہیں۔ یہ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ اگر غور کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ ایسے لوگوں کے دلوں میں محبت مچلتی رہتی ہے۔ وہ دوسرے انسانوں کے متعلق محبت سے سوچتے ہیں اور محبت سے ان کے کام آنا چاہتے ہیں۔ وہ صرف خدا کی خوشنودی اور رسول اللہ ﷺ کے عمل کے مطابق عمل کرنا چاہتے ہیں' تو جو بنیادی جذبہ ہوتا ہے وہ محبت کا ہوتا ہے۔

۱۹۹۰ء کا پاکستان ایک مثالی ملک بن گیا تھا۔ اس ملک کا ہر باشندہ خدمتِ خلق کے جذبے سے سرشار تھا۔ محبت سے اپنی ذات کے متعلق نہیں' دوسرے کے متعلق سوچتا تھا اور دوسرے کے کام آنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتا تھا۔ وہاں کسی کی اب ذاتی کوٹھی نہیں تھی۔ اسی طرح ذاتی کار بھی نہیں تھی۔ سب کچھ سرکاری تھا۔ کسی کو لمبے سفر کے لئے یا فوری سفر کے لئے کار کی ضرورت ہوتی تھی تو وہ کار دینے والے کے شعبے میں جا کر اپنے ضروری کاغذات دکھا کر دو چار گھنٹے کے لئے یا دو چار دنوں کے لئے وہ کار حاصل کر لیتا تھا جب وہ کار لے کر سیر پر نکلتا تھا تو کوئی ہاتھ دے کر رکنے کے لئے کہتا تو وہ اس راہگیر کے اشارے پر رک جاتا تھا۔ اس راہگیر کو اگر اسی سمت کہیں جانا ہوتا تو وہ محبت سے اس راہگیر کو بٹھا لیتا تھا۔ ماتھے پر شکنیں نہیں پڑتی تھیں اور نہ ہی ناگواری کا کوئی اظہار کیا جاتا تھا کیونکہ محبت کا جذبہ کار فرما ہوتا تھا۔

ایسے ہی ایک کار والے نے ایئرپورٹ کے لیگج ہال کی طرف بڑھتے ہوئے ایک نوجوان کو مخاطب کیا۔ "ہیلو مسٹر! کیا تم ناظم آباد کی طرف جانا چاہتے ہو۔ میری گاڑی حاضر ہے۔"

نوجوان نے اس کی طرف دیکھا' پھر مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کا بہت بہت شکریہ۔ واقعی میں ناظم آباد کی طرف جا رہا ہوں مگر آپ کو زحمت ہو گی۔"

"واللہ! زحمت کیا ہوگی۔ یہ تو ہمارے لئے باعثِ رحمت ہے۔ آیئے تشریف لایئے۔"

وہ دونوں وہاں سے چلتے ہوئے پارکنگ ایریا میں آئے۔ وہاں ایک کار کھڑی ہوئی تھی۔ کار کی پچھلی سیٹ پر ایک شخص سوٹ میں ملبوس فیلٹ ہیٹ پہنے بیٹھا ہوا تھا۔ کار والے نے نوجوان سے کہا۔ "یہ بھی ایک مسافر ہیں۔ انہیں بھی ناظم آباد کی طرف جانا ہے۔ آپ پچھلی سیٹ پر تشریف رکھیں۔"

نوجوان پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "واہ' ہمارا پاکستان کیسا جنت کا نمونہ بن گیا ہے' قدم قدم پر آرام اور آسائشیں ہیں' اب وہ بات نہیں رہی کہ دھوپ میں' بارش میں' سردی میں سڑک کے کنارے کھڑے ہوکر بس کا انتظار کریں یا منی بس والوں کی خوشامدیں کریں۔ اب تو جہاں چاہو وہاں جانے کے لئے آسانی سے خودبخود گاڑیاں دستیاب ہوجاتی ہیں۔"

گاڑی آگے بڑھ گئی۔ کچھ دور جانے کے بعد پاس بیٹھے ہوئے اس شخص نے پوچھا۔

"آپ کی تعریف؟"

نوجوان نے کہا۔ "میرا نام جاوید رہبر ہے۔ میں ایک انجینئر ہوں اور اسلام آباد سے ٹرانسفر ہوکر یہاں کراچی آیا ہوں' آپ کی تعریف؟"

اس فیلٹ ہیٹ والے نے کہا۔ "مجھے قاسم کہتے ہیں اور میں ہیلتھ آفیسر ہوں۔ ویسے جب آپ ٹرانسفر ہوکر آئے ہیں تو آپ کے ساتھ سامان نظر نہیں آرہا ہے۔"

رہبر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ تو جانتے ہیں کہ اب پاکستان کے لوگ اپنا سامان اپنے ساتھ اٹھا کر نہیں چلتے ایک جگہ سے دوسری جگہ خالی ہاتھ جاتے ہیں۔ جب دوسری جگہ پہنچتے ہیں تو وہاں اپنی ضروریات کا تمام سامان انہیں مل جاتا ہے۔"

قاسم ہیلتھ آفیسر نے کہا۔ "یہ تو میں جانتا ہوں لیکن ضروری کاغذات تو ہمیشہ ساتھ رہتے ہیں۔"

"جی ہاں! وہ اب بھی میرے ساتھ ہیں۔ میں نے یہاں قمیض کے اندر سینے کے پاس تمام کاغذات رکھے ہوئے ہیں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ جب میں اسلام آباد سے چلا تو ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ میں نے کاغذات کو بچانے کے لئے انہیں اندر چھپا کر رکھ لیا۔ اب یہ اسی جگہ محفوظ ہیں۔ گھر جاکر وہاں سے نکالوں گا۔"

گاڑی تیز رفتاری سے فاصلہ طے کرتی جارہی تھی۔ وہ لوگ اب حسن اسکوائر کو

پیچھے چھوڑ کر لیاقت آباد کی طرف بڑھ رہے تھے۔ تب فیلٹ ہیٹ والے نے کہا۔ "مسٹر رہبر! ہم سب جانتے ہیں کہ تم کراچی میں بالکل اجنبی ہو۔ تمہارا آگے پیچھے کوئی رشتہ دار نہیں ہے۔ اسلام آباد میں بھی تم تنہا زندگی گزارتے تھے۔ یہاں اگر تمہیں قتل کردیا جائے تو کوئی تمہارا رونے والا نہیں ہے۔ ہاں' اس حکومت کو تشویش ہوگی کہ اب پاکستان میں رفتہ رفتہ قتل کیوں ہونے لگے ہیں؟ جرائم کیوں بڑھتے جارہے ہیں..........؟ تخریب کار کہاں سے آئے ہیں؟ اور کہاں چھپے رہتے ہیں؟ یہ یہاں کی پولیس اور انٹیلی جنس والے نہیں سمجھ پائیں گے۔ ہاں! تم اب سمجھ رہے ہو کہ چند لمحوں بعد دیکھنے کے قابل نہیں رہو گے۔ تم اپنے کاغذات نکال کر چپ چاپ ہمارے حوالے کردو۔"

اس کی باتوں کے دوران رہبر نے دیکھا کہ اس نے جیب سے ریوالور نکال لیا تھا اور ریوالور کا رخ اس کی طرف تھا۔

رہبر نے پوچھا۔ "کیا تم لوگوں کا تعلق سرخ تخریب کاروں سے ہے؟"

ریوالور والے نے پوچھا۔ "تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"اس لئے کہ میرا تعلق بھی اسی سرخ تخریب کار تنظیم سے ہے۔ یقین نہ ہوتو ابھی میں کوڈ ورڈز میں باتیں کرسکتا ہوں بشرطیکہ تم بھی انہی کوڈورڈز میں جواب دو۔"

ریوالور والے نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "پھر تو تم خوب پھنسے ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آج ہم تم سے سرخ تنظیم والوں کا کوڈ ورڈز بھی معلوم کرلیں گے۔ اس طرح ہمارے آدمی تمہاری تنظیم میں پہنچ کر تم لوگوں کے طریقہ کار کو معلوم کرسکیں گے۔"

رہبر نے کہا۔ "ہمارا طریقہ کار بھی تم لوگوں جیسا ہے ہم بھی پہلے یہ معلومات حاصل کرتے ہیں کہ کون آفیسر یا اس ملک کا خاص آدمی ایک شہر سے دوسرے شہر ٹرانسفر ہو رہا ہے۔ اگر وہ اکیلا زندگی گزارتا ہے یا اس کے دوست احباب زیادہ نہیں یا کسی دوسرے شہر ٹرانسفر ہونے کے بعد وہ اجنبی چہرہ ہوگا۔ صرف شناختی کارڈ کے ذریعے سے پہچانا جائے گا' تو ایسے لوگوں کو ہم شکار کرتے ہیں۔"

"ہاں! تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارا نام جاوید رہبر نہیں ہے۔ جاوید رہبر کوئی اور تھا۔"

رہبر نے کہا۔ "ہاں! اسلام آباد میں جو جاوید رہبر تھا اسے ہماری تنظیم کے لوگوں نے قتل کیا ہے' اس کا چہرہ بگاڑ دیا اس کے کاغذات مجھے دیئے۔ میرا ایک الگ شناختی کارڈ ہے جو میرے چہرے کے مطابق ہے اور میں اس شناختی کارڈ کے مطابق یہاں کراچی میں

اپنی ڈیوٹی انجام دیتا رہوں گا۔ اگر کوئی اسلام آباد کا شناسا یہاں پہنچ جائے تو شاید میرا بھید کھل جائے ورنہ شناختی کارڈ کے مطابق میں جاوید رہبر رہوں گا۔"

ریوالور والے نے کہا۔ "جاوید رہبر کے متعلق ہمیں بھی پوری معلومات حاصل ہیں۔ ہم نے سوچا تھا کہ ٹرانسفر ہو کر یہاں کراچی پہنچے گا تو یہاں ہم اسے ٹریپ کریں گے جیسا کہ تمہیں جاوید رہبر سمجھ کر کر رہے ہیں۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ سرخ تنظیم والوں نے اسلام آباد میں ہی جاوید رہبر کو قتل کر دیا ہے اور اس کی جگہ تمہیں بھیج رہے ہیں۔ اب تمہاری جگہ میں جاوید رہبر بنوں گا۔ میرے پاس بھی جاوید رہبر کا مکمل شناختی کارڈ ہے صرف تصویر میری ہے؟"

رہبر نے اپنے کوٹ کی جیب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اچھا تو تم لوگوں نے میرے کوٹ کی جیب سے لگے ہوئے بیج کو دیکھ کر سمجھ لیا تھا کہ میرا تعلق انجینئرنگ کے شعبے سے ہے چونکہ میں اسلام آباد سے آنے والی فلائیٹ سے آیا ہوں۔ اس لئے میرا نام جاوید رہبر ہوگا۔"

ریوالور والے نے کہا۔ "ہاں! اس لئے ہم نے تمہیں کار میں بٹھاتے ہی تمہارا نام معلوم کر لیا تھا اور مطمئن ہو کر ہی اب تمہیں ٹریپ کر رہے ہیں۔"

رہبر نے کہا۔ "دوستو! تمہارا اور ہمارا مقصد ایک ہی ہے کہ ہم تخریب کاری کے ذریعے دہشت پھیلائیں۔ یہاں کی حکومت نے اصلاح معاشرہ کے ذریعے لوگوں میں اتنی محبت بھر دی ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص پر حکومت کرنے کو برا سمجھتا ہے۔ سب برابر کا درجہ رکھتے ہیں۔ کوئی حاکم بننا نہیں چاہتا کوئی شخص سیاست دان بننا نہیں چاہتا۔ اگر یہی حال رہا تو بڑی طاقتوں کے لئے مشکلات پیدا ہو جائیں گی اور بڑی طاقتیں یہی چاہتی ہیں کہ حکومتیں بدلتی رہیں۔ پالیسیاں بدلتی رہیں اور ان کا بھلا ہوتا رہے۔"

"بے شک ہم سب کا مقصد یہی ہے لیکن ہمارا ذاتی مقصد یہ ہے کہ تمہارا ملک بھی ہمارے راستے میں نہ آئے۔ راستے میں جو بھی آئے گا ہم اسے نیست و نابود کر دیں گے جیسا کہ ابھی تمہیں کرنے والے ہیں۔ میں آخری بار پوچھتا ہوں تم سیدھی طرح وہ تمام ضروری کاغذات نکال کر دیتے ہو یا تمہیں گولی مارنے کے بعد وہ تمام ضروری کاغذات حاصل کئے جائیں۔"

جاوید رہبر نے ہنستے ہوئے کہا۔ "گولی تو تم ہر صورت میں مارو گے کیونکہ تمہارا طریقہ کار بھی ہماری تنظیم جیسا ہے۔ وہاں اگلی سیٹ پر ایک چھوٹا سا اٹیچی رکھا ہوا ہے میں

جانتا ہوں اس میں تیزاب ہوگا۔ مجھے قتل کرنے کے بعد میرا چہرہ بگاڑ دیا جائے گا کہ کوئی مجھے پہچان نہ سکے۔ میرا شناختی کارڈ اور میرے دوسرے ضروری کاغذات مجھ سے لئے جائیں گے۔ اگر مجھ جیسے مقتول کے لباس سے بھی کسی طرح کا سراغ ملنے کا اندیشہ ہو تو لباس اتار کر بھی اس اٹیچی میں رکھ لیا جاتا ہے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ڈرائیو کرنے والے کے حلق سے چیخ نکلی۔ اس نے کار کے سامنے آنے والے کو ایک گندی گالی دیتے ہوئے ایک جھٹکے سے بریک لگائے۔ شاید کوئی جانور سامنے آ گیا تھا۔ اچانک بریک لگنے سے جاوید رہبر کا بھلا ہو گیا۔ ریوالور والا اگلی سیٹ کی پشت سے ٹکرایا۔ رہبر پھرتی سے پاس والے دروازے کو کھول کر وہاں سے نکلا۔ پھر بھاگتا ہوا چلا گیا۔ اسے اپنے پیچھے آواز سنائی دی۔ "رک جاؤ' ورنہ گولی مار دوں گا۔"

رہبر جانتا تھا کہ ویسے بھی وہ لوگ اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ وہ کشادہ سڑک کو عبور کرنے کے لئے بھاگتا رہا۔ اسی وقت ٹھائیں سے فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ رہبر کو یوں لگا جیسے موت اس کے بازو کو پکڑ کر کھینچ رہی ہو۔ تاہم وہ اپنی بقاء کے لئے بھاگتا رہا۔

کار ڈرائیو کرنے والا چھوٹی سی اٹیچی کو بغل میں داب کر گاڑی سے نکل آیا۔ ارادہ تھا کہ بھاگنے والا گولی لگنے سے گرے گا اور مرنے والے کے پاس سے جو ضروری کاغذات اور ضروری چیزیں برآمد ہوں گی ان سب کو سمیٹ کر اٹیچی میں رکھ لیا جائے تو وہ اس اہم اٹیچی کو لے کر فرار ہونے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

دوسری طرف ریوالور والے کا نشانہ بھٹک گیا تھا۔ رہبر سڑک پار کر چکا تھا مگر پھر بھی نشانے پر تھا۔ ریوالور والے نے دوسرا فائر کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ شاید ریوالور جام ہو گیا تھا۔ اس نے ذرا جھک کر بائیں پاؤں کو اٹھایا اور دایاں ہاتھ موزے کے اندر ڈال کر وہاں سے ایک چاقو نکال لیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ چاقو کھل چکا تھا اور تیر کی طرح سنسناتا ہوا رہبر کی طرف جا رہا تھا لیکن رہبر کی تقدیر مہربان تھی۔ چاقو اس کے کان کے پاس سے سنسناتا ہوا آگے نکل گیا تھا۔

سڑک پر زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ آس پاس جتنے بھی لوگ تھے وہ سہم کر اپنی اپنی جگہ رہ گئے تھے۔ ریوالور کو دیکھ کر کوئی آگے بڑھنا نہیں چاہتا تھا۔ کہیں سے کسی نے چیخ کر پوچھا۔ "محبت کرنے والوں کی بستی میں یہ کیا ہو رہا ہے؟"

ایک اور سمت سے کہا گیا۔ "ریوالور اور چاقو والے کو شاید پچوڑی ٹیکے نہیں لگے ہیں۔"

ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں۔ "انہیں پکڑو۔ انہیں ٹیکے لگواؤ۔ انہیں کیپسول کھلاؤ' انہیں محبت کرنا سکھاؤ۔"

لوگوں کی چیخ و پکار کے دوران وہ دونوں کار میں بیٹھ کر فرار ہو گئے۔ جاوید رہبر نے بھاگنے کے دوران گاڑی کی آواز سنی تھی۔ اس نے سمجھا کہ وہ لوگ کار میں بیٹھ کر آرہے ہیں وہ فوراً ہی ایک گلی میں مڑ گیا۔ قریب ہی ایک مکان کا دروازہ کھلا ہوا نظر آرہا تھا۔ وہ دوڑتا ہوا وہاں تک پہنچ گیا۔ ایک بار پلٹ کر دیکھا' گاڑی نظر نہیں آرہی تھی۔ مگر خطرے کا احساس حاوی تھا۔ اس نے مکان میں داخل ہو کر دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔

اب وہ بند دروازے سے لگا بری طرح ہانپ رہا تھا اسے بازو میں جلن کا احساس ہوا۔ اس نے کراہتے ہوئے دیکھا۔ اس کی آستین لہو سے بھیگ رہی تھی۔ گولی اس کے بازو کو چھیدتے ہوئے گزر گئی تھی۔ موت اس کے بازو کو پکڑنے میں ناکام رہی تھی۔ اسی وقت ایک مترنم سی آواز سنائی دی۔ "کون ہو تم؟"

اس نے چونک کر آواز کی سمت دیکھا۔ ایک بے حد حسین لڑکی باتھ روم کے دروازے سے نکلتے ہوئے اسے حیرانی سے دیکھ رہی تھی اور پوچھ رہی تھی۔ "تم نے ہمارے گھر میں آنے کی جرأت کیسے کی؟"

وہ گم صم سا ہو کر اسے دیکھتا رہ گیا۔ اپنے زخم کی تکلیف بھول گیا۔ اس لڑکی کی نگاہیں مرہم کا کام کر رہی تھیں۔ کیا تم گونگے بہرے ہو؟ یہاں سے چلے جاؤ' ورنہ میں شور مچادوں گی۔"

اس نے اپنے بازو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں زخمی ہوں۔"

"زخمی ہو تو ہسپتال جاؤ۔"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ کیا تمہارے دل میں محبت کے جذبات نہیں ہیں؟ کیا تم نے پچوڑی انجکشن نہیں لگوایا ہے؟"

اس بات پر وہ چونک گئی۔ پھر جلدی سے سنبھل کر بولی۔ "آں.......... ہاں! میں نے کیپسول کھائے ہیں۔ مجھے انجکشن سے ڈر لگتا ہے۔"

"چلو کیپسول ہی سہی' لیکن ان کا تو کوئی اثر تم پر نہیں ہوا۔ تمہارے دل میں محبت نہیں ہے۔ اگر محبت ہے تو آگے بڑھ کر اس کا اظہار کرو' ثابت کرو کہ تم اس ملک کے قانون کے مطابق محبت کرنا جانتی ہو اور نفرت کے نام سے بھی واقف نہیں ہو۔"

وہ فوراً ہی مسکرا کر آگے بڑھتے ہوئے بولی۔ "مجھے افسوس ہے کہ تم زخمی ہو گئے

ہو۔ میرے گھر میں مرہم پٹی کا سامان نہیں ہے۔ ورنہ میں تمہارے کسی کام آسکتی۔ تمہیں تو فوراً ہی ہسپتال جانا چاہئے۔ میں یہاں اجنبی ہوں۔ تم جانتے ہو گے کہ یہاں قریب کوئی ڈاکٹر مل سکتا ہے یا نہیں؟"

وہ بولا۔ "اتفاق سے میں بھی اجنبی ہوں۔ تم یہاں کب سے ہو؟"

"میں اپنے والدین اور بھائی کے ساتھ آج ہی صبح یہاں آئی ہوں۔"

"اور میں بھی ابھی اس شہر میں آیا ہوں۔ اچھی لڑکی! تمہارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام سلیقہ ہے مگر تم وقت ضائع کر رہے ہو۔ خون بہہ رہا ہے' تمہیں فوراً ہی جانا چاہئے۔"

"معلوم ہوتا ہے تم مجھے بھگانا چاہتی ہو لیکن میں یہاں سے جا نہیں سکتا۔"

وہ تیور بدل کر ذرا ناگواری سے بولی۔ "کیوں نہیں جاسکتے کیا ارادہ ہے تمہارا؟"

وہ بولا۔ "دیکھو دیکھو! تمہارے تیور بدل گئے ہیں۔ تم پھر محبت سے خالی نظر آرہی ہو۔"

وہ سنبھل کر پھر مسکرانے لگی۔ رہبر نے اسے غور سے دیکھا پھر کہا۔ "ہم دونوں کو یہاں کے قریبی ہسپتال میں جانا ہو گا۔"

"میں بھلا کیوں جاؤں گی۔"

"میں تمہارا طبی معائنہ کراؤں گا۔ مجھے شبہ ہے کہ تم نے پچوڑی ٹیکے نہیں لگائے ہیں اور نہ ہی کیپسول کھائے ہیں تمہاری حرکتوں اور تمہاری باتوں سے صاف پتہ چل رہا ہے کہ تم محبت کرنا نہیں جانتی ہو۔"

"میں جانتی ہوں' لیکن جاننے کا مطلب یہ تو نہیں ہے جو بھی گھر میں گھسا چلا آئے اس سے محبت کرنا شروع کردی جائے میں ایک لڑکی ہوں۔ کتنوں سے محبت کر سکتی ہوں۔"

"ایک لڑکی ساری دنیا سے محبت کر سکتی ہے۔ محبت کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ ہیر رانجھے اور سسی پنوں کی طرح عشق کیا جائے' عشق اور بات ہے اور کسی سے بہن کی طرح' بیٹی کی طرح' ماں کی طرح اور دوسرے ایسے مقدس رشتوں کی طرح محبت کی جاسکتی ہے۔ کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ جب ایک نوجوان لڑکی اور ایک نوجوان لڑکا ایک دوسرے سے پہلی بار ملتے ہیں' ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں اور ایک دوسرے کو پسند آتے ہیں تو کیا کہتے ہیں؟"

سلیقہ نے بے اختیار پوچھا۔ "کیا کہتے ہیں؟"

رہبر نے جواب دیا۔ "پہلے لڑکا لڑکی سے پوچھتا ہے' کیا تمہاری شادی ہو چکی ہے۔ اگر لڑکی کنواری ہے تو وہ کہتی ہے نہیں' ابھی میری شادی نہیں ہوئی ہے۔ تب لڑکا کہتا ہے میں تمہیں بیوی بنانا چاہتا ہوں۔ اگر تم مجھے بیوی کی محبت دے سکتی ہو تو میں خود کو خوش نصیب سمجھوں گا۔ اگر تمہیں اعتراض ہو تو کوئی بات نہیں۔ محبت ہمارا اوڑھنا بچھونا ہے۔ ہم پاکیزہ محبت کریں گے۔"

سلیقہ نے کہا۔ "یہ مجھے بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتی ہوں۔"

"اگر تم جانتی ہوتیں تو مجھ سے یہ نہ کہتیں کہ تم ایک لڑکی کتنوں سے محبت کرو گی۔ اگر تمہارے دل میں پچوتڑی محبت ہوتی تو تم اتنی دیر سے میرے بازو سے لہو بہنے کا تماشا نہ دیکھتیں۔ فوراً ہی اپنے دوپٹے کا ایک سرا پھاڑ کر کم از کم پٹی ہی باندھ دیتیں۔ خون کو بہنے سے روک دیتیں۔ پھر اپنے محلے پڑوس والوں سے التجا کرتیں کہ مجھے ہسپتال تک پہنچایا جائے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی دروازے کے باہر گلی میں بہت سے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ جیسے بہت سے لوگ آجا رہے ہوں۔ پھر کسی نے چیخ کر کہا۔ "بھائی! تم کہاں جا رہے ہو؟ کس مکان میں تم نے پناہ لی ہے؟ ہم تمہاری مدد کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے سامنے آؤ' ہمیں بتاؤ کہ وہ تمہارے دشمن کون تھے؟ جو فرار ہو گئے اور تمہیں کوئی نقصان تو نہیں پہنچا ہے' اگر پہنچا ہے تو ہم سب مل کر تمہارا نقصان پورا کریں گے' تمہارے کام آئیں گے۔"

رہبر نے سلیقہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ "دیکھو اسے کہتے ہیں محبت' یہ سارے علاقے والے مجھے تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ محبت سے مجبور ہیں۔ جب تک دشمنوں سے مجھے محفوظ نہیں رکھیں گے اور جب تک یہ میرے کسی کام نہیں آئیں گے' اس وقت تک یہ سارے محبت کے مارے چین سے سو نہیں سکیں گے' بہرحال میں جا رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر رہبر دروازے کی طرف پلٹ گیا۔ ہاتھ اٹھا کر چٹخنی کی طرف لے گیا تاکہ دروازہ کھولے۔ ایسا کرتے وقت وہ جان بوجھ کر دیر کر رہا تھا کہ سلیقہ جواباً کچھ کہے یا اسے روکے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس نے دروازے کی طرف سے پلٹتے ہوئے سلیقہ کو پھر ایک بار سر سے پاؤں تک ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر اس کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔ "میں نے تمہیں اچھی طرح پہچان لیا ہے۔ تم نے ابھی تک نہ تو پچوتڑی ٹیکے لگوائے ہیں

نہ کیپسول کھائے ہیں۔ تمہارے دل میں اتنی سی محبت اور ہمدردی بھی نہیں ہے کہ میں جا رہا ہوں تو تم رسمی طور پر اتنا کہہ دو کہ آؤ ہسپتال تک پہنچنے سے پہلے میں تمہارے زخم پر کوئی کپڑا باندھ دوں۔ تم محبت سے بالکل خالی ہو۔"

اس نے پھر چٹخنی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ سلیقہ نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ کو پکڑتے ہوئے کہا۔ "سوری! دراصل بات یہ ہے کہ میں کچھ پریشان ہوں۔ اس لئے میں تمہیں نہیں روک رہی تھی۔ مجھے افسوس ہے کہ تم زخمی ہو۔ میں ابھی تمہارے زخم پر پٹی باندھ دیتی ہوں۔ ذرا ٹھہرو۔"

اس نے اپنا ہاتھ چھڑا کر کہا۔ "نہیں میں تمہارے راز کو کسی حد تک پا گیا ہوں۔ تم پاکستانی نہیں ہو یا پھر ایسی پاکستانی ہو جس کی زندگی غیر ملک میں گزرتی رہی ہے اور اب تم کسی سلیقہ کے شناختی کارڈ اور ضروری کاغذات کے تحت یہاں آ گئی ہو۔"

سلیقہ ایک دم سے گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ پریشان ہو کر اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ "یہ جھوٹ ہے۔ تم مجھے الزام دے رہے ہو۔ میں ثابت کر سکتی ہوں کہ میرا نام سلیقہ ہے۔ میں اپنے ماں باپ کی بیٹی ہوں' اپنے بھائی کی بہن ہوں۔ یہاں سب لوگ موجود ہیں لیکن کسی ضرورت سے قریبی مارکیٹ تک گئے ہیں۔ میرے کاغذات بھی یہ ثابت کر دیں گے کہ میں نے پچوتڑی کیپسول کھائے ہیں۔"

رہبر نے بازو کی تکلیف کے باوجود مسکراتے ہوئے کہا۔ "اپنے کاغذات دکھانے اور ثبوت پیش کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ ایک ہی طریقہ کافی ہے میں کل یہاں آؤں گا اور اپنے ساتھ کسی ڈاکٹر کو یا لیڈی پولیس کو لے کر آؤں گا۔ وہ تمہیں ہسپتال لے جا کر تمہارا معائنہ کریں گے اور اس حقیقت کو سمجھیں گے کہ تمہارے پچوتڑی کاغذات درست ہیں یا نہیں۔"

وہ بہت زیادہ پریشان ہو گئی۔ اس نے کہا۔ "تم خواہ مخواہ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو؟"

"میں تمہارے پیچھے نہیں پڑوں گا۔ جو سچ ہے وہ صاف صاف کہہ دو۔"

"دیکھو! تمہارے زخم سے بہت لہو بہہ رہا ہے۔ تمہیں فوری طور پر طبی امداد کی ضرورت ہے۔"

اس نے اپنے بازو کو دیکھا۔ تکلیف برداشت کرتے ہوئے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "ہاں! بے شک مجھے فوری طور پر طبی امداد کی ضرورت ہے۔ میں جا رہا ہوں' کل پھر آؤں

گا' تم اچھی طرح سوچ لو۔ اگر تمہارا کوئی راز ہے تو میں یہ وعدہ کرتے ہوئے جارہا ہوں کہ تمہارا رازداں بن کر رہوں گا۔ کیونکہ تم بہت حسین ہو اور میرے دل میں سما گئی ہو۔ میں تمہیں چاہنے لگا ہوں۔ شاید یہ پچوڑی ٹیکے کا اثر ہے کہ میں تم پر جان بھی دے سکتا ہوں۔ چاہے تم پاکستانی ہو یا نہ ہو۔"

اس نے چٹخنی نیچے گرا دی۔ دروازہ کھولتے ہی کہا۔ "اب جلدی سے میرا دوسرا بازو تھام لو تاکہ باہر والے یہ دیکھ سکیں کہ تم مجھ سے ہمدردی اور محبت کر رہی ہو۔"

سلیقہ نے فوراً ہی آگے بڑھ کر اس کے بازو کو تھام لیا۔ وہ سلیقہ کا سہارا لیتے ہوئے برآمدے میں آیا۔ باہر گلی میں آنے جانے والے لوگ انہیں دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ پھر رہبر نے کہا۔ "تم انہیں آواز دے کر کہو کہ میں ہی وہ زخمی ہوں جو قاتلوں سے بھاگ کر یہاں پناہ لینے آیا ہوا ہوں۔"

سلیقہ نے اس کی ہدایت پر عمل کیا۔ تمام لوگ وہاں جمع ہونے لگے۔ کتنے ہی اس کے آس پاس آگئے اور اسے سہارا دے کر کہنے لگے۔ "چلو ہم ابھی تمہاری مرہم پٹی کریں گے اور ڈرنے کی بات نہیں ہے۔ وہ جو مجرم تھے وہ فرار ہوگئے ہیں۔ اگر وہ تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر جاتے تو ہم انہیں محبت سے سمجھاتے اور جرم سے باز رکھنے کی کوشش کرتے۔"

سلیقہ حیرانی سے ان لوگوں کی باتیں سن رہی تھی۔ کیا یہ ملک ایسا ہوگیا ہے کہ کچھ لوگ اس اجنبی جوان کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ مگر یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ قاتلوں کو بھی سمجھا بجھا کر راہِ راست پر لایا جاسکتا ہے۔ اس مجمع سے ایک بوڑھے نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ قوم سمجھنے اور بوجھنے والی کہاں تھی۔ انہیں تو سمجھا سمجھا کر کتابیں بند ہوگئیں۔ علم تھک گیا' پیغمبروں کی ہدایت کے عملی نمونے بے اثر ہوگئے۔ یہ ایسے سمجھنے والے کہاں تھے۔ انہیں سمجھانے کے لئے تو پچوڑی ٹیکے اور کیپسول ایجاد کئے گئے۔ اب کوئی قاتل اسی طرح سمجھتا ہے کہ جب وہ گرفتار ہوجاتا ہے تو اسے ٹیکے لگا دیئے جاتے ہیں یا کیپسول کھلا دیئے جاتے ہیں اور وہ اپنی تمام شیطانی حرکتوں سے باز آجاتے ہیں اور بے اختیار اس کے گلے لگ جاتا ہے' جس کا گلا وہ کاٹنے والا تھا۔"

سلیقہ اب اپنے مکان کے برآمدے میں تنہا کھڑی ہوئی تھی۔ باقی تمام لوگ اس اجنبی زخمی جوان کو ہاتھوں ہاتھ لئے جارہے تھے۔ کتنے ہی مرد اپنی عورتوں کو سمجھا رہے تھے کہ وہ پریشان نہ ہوں۔ گھر میں آرام کریں۔ ابھی زخمی جوان کو حفاظت سے اس کے گھر پہنچا

دیا جائے گا لیکن عورتیں بھی محبت کے جذبے سے اس کے ساتھ ساتھ چلی جارہی تھیں۔ کوئی ایک دوسرے سے ہمدردی اور محبت میں پیچھے نہیں رہنا چاہتا تھا۔ ورنہ پہلے تو یہ ہوتا تھا کہ کوئی کسی زخمی کو اپنے ساتھ مرہم پٹی کے لئے لے جاتا تو باقی دوسرے مطمئن ہوکر اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ جاتے تھے مگر اب محبت کسی کو بھی چین سے بیٹھنے نہیں دیتی تھی۔ جب تک وہ اپنے پڑوسیوں سے یہ معلوم نہ کرلیتے کہ انہوں نے کھانا کھایا ہے یا نہیں' وہ خیریت سے ہیں یا نہیں' اس وقت تک وہ کھانا نہیں کھاتے تھے۔ جب تک یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ بیمار کو دوا مل گئی ہے اور وہ سکون سے سو رہا ہے۔ اس وقت تک دوسرے سکون سے نہیں سو سکتے تھے۔

سلیقہ نے محسوس کیا کہ وہ کچھ بے چین سی ہو رہی ہے۔ اس کا اپنا سکون ختم ہو رہا ہے۔ کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ وہ برآمدہ ویران ویران سا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ پلٹ کر کمرے میں آئی تو کمرہ بھی خالی خالی سا لگا۔ پھر اس نے محسوس کیا کہ اس کی انگلیاں کچھ گیلی گیلی سی ہیں۔ اس نے جلدی سے اپنی انگلیوں کو دیکھا تو وہاں خون لگا ہوا تھا۔ وہ زخمی نوجوان جب دروازے کی چٹخنی ہٹانے جارہا تھا تب ہی سلیقہ نے اس کے ہاتھ کو پکڑ لیا تھا اور شاید اسی وقت جوان کا لہو اس کی انگلیوں میں لگ گیا تھا وہ دیر تک اپنی انگلیوں میں سرخ لہو کو دیکھتی رہی۔

اس کے دل نے عجیب طرح سے دھڑکنا شروع کر دیا۔ اس طرح کہ اسے پہلی بار اپنی دھڑکنیں سنائی دیں۔ وہ انگلیوں کو دیکھ رہی تھیں۔ لہو کی سرخی میں زخمی جوان کا چہرہ نظر آرہا تھا۔ کانوں میں اس کی باتیں سنائی دے رہی تھیں۔ چڑھتی ہوئی عمر کے کسی موڑ پر ایسا بھی ہوتا ہے۔ اچانک کوئی سامنے آتا ہے اور اپنی نگاہوں کا پچوڑی ٹیکہ لگا کر چلا جاتا ہے۔

اس نے لہو میں بھیگی ہوئی انگلیوں کو اپنے سینے پر رکھ لیا۔ سفید کرتے پر لہو کے ننھے ننھے پھول کھل گئے۔ اسی وقت کمرے کے باہر قدموں کی آواز سنائی دی۔ خیرالدین کسی سے باتیں کرتا ہوا آرہا تھا۔ وہ جلدی سے چلتی ہوئی باتھ روم میں گھس گئی۔ دروازے کو اندر سے بند کرلیا۔ اسی وقت کمرے میں قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ پھر صابرہ بیگم نے کہا۔ "یہ سلیقہ کہاں چلی گئی ہے؟"

خیرالدین کی آواز سنائی دی۔ "کہاں جاسکتی ہے؟ یہ اجنبی جگہ ہے۔ گھر میں ہی ہوگی۔"

اس کے جتنے فراڈ رشتے تھے۔ ان کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ تیسرا فراڈ رشتہ ایک بھائی کا تھا۔ رضی الدین نے کہا۔ "شاید وہ باتھ روم میں ہے۔"

وہ ان کی باتیں سن رہی تھی اور پھر انگلیوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس زخمی جوان کا لہو کچھ تو کرتے میں منتقل ہوگیا تھا کچھ انگلیوں میں رہ گیا تھا۔ اس نے سوچا۔ انگلیوں کو اب دھو لینا چاہئے لیکن جی نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ انگلیاں نہیں آئینہ ہیں لہو نہیں عکس ہے اور وہ جانے والا اب تک نظر آرہا ہے۔ اگر وہ اسے دھولے گی تو پھر وہ نظر نہیں آئے گا۔

وہ باتھ روم کے آئینے کے سامنے آگئی اور ایک ہاتھ پیچھے کی طرف کرکے بندھی ہوئی زلفوں کو کھولنے لگی۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ پھر صابرہ بیگم کی آواز آئی۔ "کیا تم اندر ہو؟"

"جی ہاں! میں ابھی آتی ہوں۔"

زلفیں کھل گئیں بلکہ چہرے کی طرف بکھر گئیں۔ سیاہ زلفوں کے درمیان چہرے کا اُجلا پن اور اُجلا ہوگیا۔ چہرہ جیسے دمکنے چمکنے لگا۔ اس نے تمام زلفوں کو سمیٹ کر آگے کیا۔ پھر لہو میں بھیگی ہوئی انگلیوں کو اپنی زلفوں میں چھپالیا۔ کوئی بال بال موتی پروتا ہے۔ وہ بال بال لہو پرونے لگی۔ اپنی محبت کو زلفوں کے اندھیرے میں چھپا کر رکھنے لگی۔

دروازے کے دوسری طرف رضی الدین کی آواز سنائی دی۔ "ڈارلنگ! کیا غسل کر رہی ہو؟"

رضی الدین کے منہ سے ڈارلنگ کا لفظ سن کر اس کے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا۔ وہ رضی الدین جو اس کا چھوٹا بھائی بنا ہوا تھا' لیکن اچھے گہرے دوستوں میں سے تھا۔ اسے ڈارلنگ کہہ کر بلایا کرتا تھا یعنی یہاں بھائی کا رشتہ تھا اور درپردہ عاشقانہ اندازِ تخاطب تھا۔ اب یہ بات اس کے دل میں چبھ گئی۔ یکبارگی احساس ہوا کہ یہ بُری بات ہے اور نہایت ہی نامعقول رشتوں میں وہ الجھی ہوئی ہے۔

وہ ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر آئی۔ رضی الدین خیر الدین اور صابرہ بیگم تینوں وہاں موجود تھے۔ وہ جھلا کر بولی۔ "یہ کیا بدتمیزی ہے۔ تم مجھے ڈارلنگ کیوں کہتے ہو؟ کیا میں تمہاری بہن نہیں ہوں؟"

رضی الدین نے مسکرا کر کہا۔ "کون کم بخت تمہیں بہن سمجھتا ہے۔ ارے! ہم تو یہاں ناٹک کرنے آئے ہیں۔"

"لعنت ہے ایسے ناٹک پر۔ جب زبان سے کسی کو بہن کہہ دیا اور کسی بہن کی زبان

نے کسی کو بھائی کہہ دیا تو پھر وہ مقدس رشتہ ہوا۔ مجھے آئندہ ڈارلنگ کبھی نہ کہنا۔"

وہ تینوں سلیقہ کو حیرانی سے دیکھنے لگے۔ کیونکہ وہ پاکستان سے باہر ایسی دنیا میں رہتے ہوئے آئے تھے جہاں محبت نہیں تھی۔ پاکیزگی نہیں تھی۔ اگر محبت تھی تو پاکیزگی نہیں تھی۔ وہاں پر رشتے ایسے تھے جیسے ہاتھی کے دانت ہوتے ہیں۔ دنیا والوں کو دکھانے کے لئے کچھ اور رشتہ ہوتا ہے گھر کے اندر برتنے کے لئے کچھ اور رشتہ ہوتا ہے' وہ ایسے ماحول سے' ایسے ملکوں سے آئے تھے جہاں جرم گرفت میں نہ آئے تو جائز ہوجاتا ہے۔

خیر الدین نے جلدی سے' آگے بڑھ کر کہا۔ "ٹھیک ہے ٹھیک ہے' سلیقہ بالکل ٹھیک کہتی ہے۔ ہم سب کو بہت محتاط رہنا چاہئے جس رشتے کا ہم ناٹک کھیل رہے ہیں اس رشتے کو گھر کی چار دیواری کے اندر بھی نبھانا چاہئے۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ ایسا نہ ہو رضی الدین! کہ تم دنیا والوں کے سامنے سلیقہ کو بہن کہو اور یہاں ڈارلنگ کہو تو کوئی پڑوسی سن لے۔ سلیقہ ٹھیک کہتی ہے۔ آئندہ تم عاشقانہ انداز اختیار نہ کرنا۔"

رضی الدین سلیقہ کو گھورتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔ شام کو جب مغرب کی اذان ہوئی تو خیر الدین اور رضی الدین نماز پڑھنے کے لئے محلے کی مسجد میں گئے۔ کیونکہ سبھی مرد نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں ضرور حاضر ہوتے تھے۔ نماز کے بعد مسجد میں اعلان کیا گیا کہ آج کی رپورٹ کے مطابق ہمارے محلے میں سبھی لوگ خوش حال ہیں۔ سبھی کے ہاں اچھا کھانا پینا ہے۔ مکان نمبر الف ۱۵ کے کریم صاحب جو بیمار تھے وہ اب ماشاء اللہ تندرست ہو رہے ہیں۔ بعد نماز عشاء' آپ تمام حضرات کھا پی کر آرام سے سو سکتے ہیں۔ کسی بات کی پریشانی یا کسی کی فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

رات کو صابرہ بیگم میز پر کھانا لگاتے ہوئے بڑبڑا رہی تھیں۔ "یہاں تو یہ بڑی مصیبت ہے کہ ہر ایک کو اپنا کام اپنے ہاتھوں سے کرنا پڑتا ہے۔ اب ہم جب تک یہاں رہیں گے مجھے اپنے ہاتھوں سے تم لوگوں کو پکا کر کھلانا ہوگا اور میں نے کبھی اتنی محنت نہیں کی۔"

وہ سب کھانے کے لئے میز کے اطراف بیٹھ گئے۔ خیر الدین نے کہا۔ "ہاں! یہ بات تو درست ہے مگر کیا کیا جائے۔ یہاں جیسا ماحول ہے' جیسا دوسرے لوگ کرتے ہیں' ویسا ہمیں بھی کرنا ہوگا۔ ذرا بھی ناگواری کا اظہار کریں گے تو پکڑے جائیں گے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی دروازے پر دستک سنائی دی۔ رضی الدین نے وہاں سے اٹھ کر باہر والے دروازے کو کھولا۔ وہاں ایک شخص کھڑا ہوا تھا۔ اس نے سلام دیا تو

رضی الدین نے جواب دیتے ہوئے پوچھا۔ "آیئے! اندر تشریف لایئے ہم آپ کی کیا خدمت کرسکتے ہیں؟"

آنے والے شخص نے کہا۔ "میں آپ کا پڑوسی ہوں آپ لوگ یہاں نئے آئے ہیں تو' میں نے سوچا کہ آپ لوگوں کی خیریت دریافت کرلوں اور کچھ ضروری باتیں کرلوں۔ کیا آپ کو زحمت ہوگی؟"

رضی الدین نے کہا۔ "بالکل نہیں صاحب! آپ اندر تشریف لائیں۔ ہم کھانے کے لئے بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ ہماری خوش نصیبی ہوگی کہ آپ ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہوں گے۔"

"آپ کا بے حد شکریہ۔ میں کھانا کھا کر گھر سے نکلا ہوں۔ ویسے آپ لوگوں کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر رہوں گا اور ایک پیالی چائے پی لوں گا۔"

وہ کھانے کی میز پر آیا اور ایک پیالی چائے پی۔ رضی الدین کے ذریعے اس کا تعارف سبھی سے ہوا۔ پھر وہ ایک کرسی پر بیٹھ کر کہنے لگا۔ "میں کچھ ضروری باتیں کرنے آیا ہوں۔ آپ لوگوں نے مسجد میں یہ تو دیکھ ہی لیا ہے کہ وہاں محلے والوں کے متعلق معلومات حاصل ہوجاتی ہیں لیکن اب ہمارے ملک میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی خبر ہمیں پوری طرح نہیں ہوتی ہے بہت سی باتیں چھپالی جاتی ہیں۔ ان باتوں کو چھپانے میں لوگوں کا بھلا ہے۔ بہت سے لوگ کمزور دل کے ہوتے ہیں اور دشمنوں کے ظلم پر سہم جاتے ہیں۔"

خیرالدین نے کہا۔ "آپ درست کہہ رہے ہیں۔ سبھی کمزور اور سبھی باہمت نہیں ہوتے۔ ویسے آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

اس نے ذرا رازدارانہ انداز میں اپنی آواز دھیمی کرتے ہوئے کہا۔ "ہمارے ملک میں کچھ لوگ تخریبی کارروائیوں میں مصروف ہیں۔ میرا تعلق یہاں کے ہسپتال سے ہے اور اس شعبے میں ہوں جہاں ایکسرے کے ذریعے پچوٹری غدود کا معائنہ کیا جاتا ہے۔ یہ دیکھا جاتا ہے کہ کس کے دماغ کے اندر کتنی مقدار میں غدود رہ گئے ہیں۔ جس کے دماغ میں پچوٹری غدود کی کمی ہونے لگتی ہے۔ ٹیکے اور کیپسول کے ذریعے اس کمی کو پورا کیا جاتا ہے۔ پچھلے ہفتے ہمارے ہسپتال میں یہ انکشاف ہوا کہ جسے ہم نے دو ماہ پہلے پچوٹری ٹیکے لگائے تھے اس آدمی کے دماغ کے اندر وہ پچوٹری غدود ختم ہوگئے ہیں۔ برائے نام رہ گئے ہیں۔"

خیرالدین نے پوچھا۔ "دو ماہ کے اندر پچوٹری غدود کیسے ختم ہوسکتے ہیں۔ جبکہ تقریباً پانچ سال کی میعاد ہوتی ہے۔ پانچ سال کے بعد ہی یہ ٹیکے لگائے جاتے ہیں۔"

"جی ہاں' یہی تو حیرانی اور پریشانی کی بات ہے کہ ایسا کیوں ہوا۔ پھر اس کی رپورٹ ہم نے اپنے اعلیٰ طبی شعبوں میں پہنچائی۔ اس کے جواب میں معلوم ہوا کہ ہمارے ملک کے ہر شہر میں ایسا ہو رہا ہے۔ بہت سے لوگوں کا طبی معائنہ کیا جاتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ پچوٹری غدود حیرت انگیز طور پر ختم ہو رہے ہیں۔ ایک ایسے مردہ شخص کا پوسٹ مارٹم کیا گیا جسے ایک ماہ پہلے پچوٹری ٹیکہ لگایا گیا تھا۔ اس کے دماغ میں ان پچوٹری غدود کا رہنا لازمی تھا لیکن مردہ دماغ کی سرجری کے دوران ایک نیا انکشاف ہوا۔ اس دماغ میں کچھ ایسا مادہ پایا گیا جس کا طبی طور پر تجزیہ کرنے کے بعد ابھی تک کوئی خاص بات سمجھ میں نہیں آئی۔ بڑے بڑے ماہرین کا یہ خیال ہے کہ پچوٹری غدود کے توڑ میں کوئی ایسا غدود تیار کیا گیا ہے جو پچوٹری غدود کے لئے زہر ثابت ہوتا ہے۔ ان غدود کو آہستہ آہستہ ختم کرکے انسان کے اندر محبت کو فنا کر دیتا ہے اور جب محبت فنا ہوجاتی ہے تو پھر نفرت' بیزاری' غم' غصہ انتقام اور ان سب کے نتیجے میں جرائم ہی جرائم رہ جاتے ہیں۔"

خیرالدین نے تشویش کا اظہار کیا۔ "یہ تو ہمارے ملک کے خلاف سازشیں کی جارہی ہیں۔"

پڑوسی نے تائید میں سرہلا کر کہا۔ "بے شک یہی بات ہے۔ سرکاری طور پر عوام کو ان سازشوں کے متعلق کوئی خبر نہیں دی گئی ہے تاکہ سازش کرنے والے خوش فہمی میں مبتلا رہیں کہ ہم سب بے خبر ہیں ہم فرداً فرداً لوگوں کو سمجھا رہے ہیں۔ ان سازشوں سے آگاہ کر رہے ہیں اس طرح ہم چپ چاپ ان سازش کرنے والوں تک پہنچ جائیں گے اور انہیں گرفتار کرلیں گے۔"

رضی الدین نے میز پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "اگر کوئی سازش کرنے والا میری گرفت میں آگیا تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

پڑوسی نے جلدی سے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "نہیں نہیں جناب آپ غصے میں نہ آئیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر بھی ان منفی غدود کا اثر ہو رہا ہے جو سازش کرنے والے پتہ نہیں کسی ٹیکے کے ذریعے یا کسی دوا کے ذریعے ہمارے آپ کے دماغوں میں پہنچا رہے ہیں۔"

رضی الدین کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ خیرالدین نے جلدی سے بات بناتے ہوئے

کہا۔ "یہ ابھی جوان ہے۔ ذرا جوش میں آگیا ہے۔ حب الوطنی ایسی چیز ہی ہوتی ہے۔ رضی الدین تم اطمینان رکھو۔ مجرم جب گرفتار ہوں گے تو قانون خود انہیں سزا دے دے گا اور ایسی عبرت ناک سزا دے گا کہ دوسرے عبرت حاصل کریں گے۔"

پڑوسی نے پھر ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "نہیں نہیں' بھائی صاحب آپ ایسا نہ کہیں ہمارے ہاں کا قانون کسی کو بھی عبرت ناک سزا نہیں دیتا ہے۔"

خیرالدین نے بے اختیار حیرانی سے پوچھا۔ "کیوں' کیا کوئی قاتل ہو تو اسے عمر قید یا سزائے موت نہیں دی جاسکتی؟"

پڑوسی نے حیرانی سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ ہمارے ملک میں سزا اور وہ بھی موت کی سزا دینے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ بس مجرم گرفتار ہوا۔ اسے پچوڑی ٹیکہ لگا دیا اور وہ محبت میں مبتلا ہوگیا۔ سارا جرم ختم ہوجاتا ہے اور اس کے اندر محبت ہی محبت رہ جاتی ہے۔ پھر وہ جرم کیسے کرے گا؟"

سلیقہ' صابرہ بیگم' خیرالدین اور رضی الدین سب کے سب حیرانی سے اس پڑوسی کو دیکھ رہے تھے اور اس کی باتیں سن رہے تھے۔ واقعی انہوں نے یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ ایک پچوڑی غدود کے ذریعے بڑے سے بڑے بھیانک جرم کو بھی محبت سے ختم کیا جاسکتا ہے۔

پڑوسی نے اپنی جیب سے ایک چھوٹا سا پیڈ نکال کر خیرالدین سے پوچھا۔ "جناب آپ کا نام؟"

"بابا خیرالدین۔"

"آپ کی بیگم کا نام؟"

"صابرہ بیگم۔"

وہ نام پوچھتا گیا۔ خیرالدین نام لکھواتا گیا۔ رضی الدین اور سلیقہ کا بھی نام لکھنے کے بعد پڑوسی نے اس کے نیچے دوسرے دن کی تاریخ لکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے اس میں کل دوپہر دو بجے کا وقت لکھا ہے آپ اس وقت اپنے علاقے کے ہسپتال میں اپنے پورے خاندان کے ساتھ پہنچ جائیں۔ وہاں آپ سب کا طبی معائنہ ہوگا۔"

خیرالدین نے پریشان ہوکر پوچھا۔ "ہمارے پاس پچوڑی کارڈ موجود ہیں بھلا طبی معائنہ کی کیا ضرورت ہے؟"

پڑوسی نے کہا۔ "ابھی میں نے آپ لوگوں کی باتوں سے اندازہ لگایا ہے کہ آپ

لوگوں کے اندر پچوڑی غدود کی کمی ہے اس لئے آپ لوگوں نے مجھ سے گفتگو کے دوران کتنی ہی بار غم و غصے کا اظہار کیا ہے۔ حُب الوطنی بے شک اچھی بات ہے۔ اس کے لئے جوش و جذبہ ہوتا ہے لیکن جب ہم محبت سے دشمنوں کو زیر کرسکتے ہیں تو جوش میں آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ سب کچھ اس لئے ہورہا ہے کہ آپ لوگوں میں اس غدود کی کمی ہے۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم انشاء اللہ جو کمی ہوگی پچوڑی ٹیکے لگا کر اس کو پورا کردیں گے۔"

اس نے پیڈ میں سے اس ورق کو پھاڑ کر خیرالدین کی طرف بڑھا دیا۔ پھر اٹھتے ہوئے کہا۔ "آپ لوگ لاہور سے آئے ہیں۔ کل تک اس بات پر غور سے سوچیں کہ کن اجنبی لوگوں سے آپ کا کبھی رابطہ رہا ہے یا کہیں آپ کسی کے ہاں کھانے کے لئے گئے ہوں تو کھانے میں کچھ ملا کر آپ لوگوں کو دیا گیا ہو یا کسی ایسے ویسے ڈاکٹر سے آپ نے انجکشن لگوایا ہو یا اس سے کچھ دوائیں کھائی ہوں تو یہ پوری رپورٹ کل آپ دو بجے ہسپتال میں دیجئے گا تاکہ ہمیں دشمنوں تک پہنچنے میں کچھ مدد مل سکے۔ شکریہ۔"

یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا۔ وہ چاروں تھوڑی دیر تک گم صم بیٹھے رہے اور ایک دوسرے کو خاموشی سے تکتے رہے۔ پھر رضی الدین جلدی سے اٹھ کر بیرونی دروازے کی طرف گیا۔ پھر اسے اندر سے بند کرنے کے بعد واپس آگیا۔ صابرہ بیگم نے گھبرا کر کہا۔ "کل ہم معائنے کے لئے جائیں گے تو بُری طرح پھنس جائیں گے۔ ہمارا بھید کھل جائے گا کہ ہمیں پچوڑی ٹیکے نہیں لگائے گئے ہیں۔"

خیرالدین نے کہا۔ "تم خواہ مخواہ گھبرا رہی ہو۔ بھید کیسے کھلے گا۔ ایکسرے مشین کے ذریعے یہ معلوم ہوگا کہ ہمارے دماغوں میں کوئی منفی غدود ہے جس نے پچوڑی غدود کو ختم کردیا ہے۔"

رضی الدین نے کہا۔ "شاید آپ نے اس پڑوسی کی باتیں توجہ سے نہیں سنی ہیں۔ وہ کہہ رہا تھا کہ جس مردہ دماغ کی سرجری کی گئی تھی اس میں منفی غدود کے اجزاء پائے گئے تھے۔ اگر ہمارے دماغ میں وہی منفی غدود کے اجزا نہ پائے گئے تو یہ کیسے ثابت ہوگا کہ ہمارے اندر کے پچوڑی غدود کو کسی منفی غدود نے ختم کیا ہے؟"

خیرالدین نے کہا۔ "ہاں یہ بات بڑی تشویش ناک ہے ہمیں فوراً ہی راحت عزیزی سے رابطہ قائم کرکے اسے موجودہ سچویشن کے متعلق بتانا ہوگا۔ ورنہ کل ہم بری طرح پھنس جائیں گے۔ وہی ہمیں یہاں سے نکال سکتا ہے۔"

کھانے کے بعد وہ لوگ ایک کمرے میں آئے۔ صابرہ بیگم جائے نماز پر بیٹھ گئیں۔ نماز پڑھنے کی جگہ تھی۔ اس کے اطراف خیرالدین اور رضی الدین بیٹھ گئے سلیقہ بھی موجود تھی۔ پھر صابرہ بیگم نے اس جگہ ہاتھ بڑھایا جہاں سجدہ کیا جاتا تھا۔ اس جگہ جائے نماز کے نیچے ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر رکھا ہوا تھا۔ اسے نکال کر وہ راحت عزیزی سے رابطہ قائم کرنے لگے۔

رابطہ قائم ہوتے ہی پہلے کوڈ ورڈز کا تبادلہ ہوا۔ پھر خیرالدین نے بتایا کہ ابھی ان پر کیا گزری ہے اور کل دو بجے انہیں طبی معائنے کے لئے حاضر ہونا ہے اور طبی معائنہ کس قسم کا ہوگا یہ بھی بتایا گیا۔ ان کی باتیں سننے کے بعد راحت عزیزی نے پوچھا۔ "تمہارے اس پڑوسی کا نام اور اس کے مکان کا نمبر کیا ہے اوور۔"

خیرالدین نے جواب دیا۔ "ہم نے تو اس کا نام ہی نہیں پوچھا اور یہ بھی معلوم نہیں کیا کہ وہ ہمارے دائیں طرف رہنے والا پڑوسی ہے یا بائیں طرف۔ اوور۔"

"تم لوگ اگر ایسی ہی حماقتیں کرتے رہو گے تو ہم بری طرح پھنس جائیں گے تمہارے ساتھ میں بھی ڈوب جاؤں گا۔ تمہیں کتنی ٹریننگ دی گئی تھی کہ پاکستان پہنچتے ہی اپنے اندر صرف محبت کے جذبات رکھنے ہوں گے۔ کیا تم لوگ محبت سے اس کا نام نہیں پوچھ سکتے تھے اس کا تعارف حاصل نہیں کرسکتے تھے کجا یہ کہ اس سے گفتگو کے دوران اپنے جوش اور جذبے اور انتقامی جذبوں کا بھی اظہار کردیا کہ کس طرح قانون کے ذریعے مجرموں کو سزا ملنی چاہئے۔ تمہیں اتنی عقل تو ہونی چاہئے تھی کہ جہاں محبت سے سب کو راہِ راست پر لایا جاتا ہے وہاں سزا کا تصور ہی نہیں ہوسکتا۔ محبت سے ہی مجرم راہِ راست پر آجاتے ہوں گے۔ کیا اتنی سی بات تم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ بہرحال تم لوگوں نے بہت بڑی غلطی کی ہے آئندہ ایسی غلطیوں سے پرہیز کرو۔ اٹھتے بیٹھتے غور کرتے رہو کہ کس طرح ہر لمحہ اپنی طرف سے اپنے آس پاس والوں کے سامنے محبت کا اظہار کرتے رہو گے اور کسی کو شبہے میں مبتلا نہیں کرو گے۔ اب میں کل صبح تک تمہیں بتاؤں گا کہ ہم اس پڑوسی کے ساتھ کیا کریں گے۔ اوور۔"

خیرالدین نے کہا۔ "اگر آپ حکم دیں تو ہم اس پڑوسی کو ٹھکانے لگا دیں اور اس کی وہ پرچی کہ ہمیں کل دو بجے ہسپتال پہنچنا ہے۔ پھاڑ کر پھینک دیں۔ اس طرح ہم طبی معائنے سے محروم رہیں گے۔ اوور۔"

"ایسی حماقت نہ کرنا۔ تم چاروں اس محلے میں اچھے' محبت کرنے والے شہریوں کی

حیثیت سے رہو گے۔ یہ کام میں دوسروں سے کراؤں گا۔ ہمارے آدمی اس پڑوسی کو منفی غدود کا ٹیکہ لگائیں گے۔ جب اس کے اندر سے محبت کا جذبہ ختم ہوگا تو ہم اسے اس ملک کے خلاف بھڑکائیں گے اور اسے خریدنے کی کوشش کریں گے۔ اگر وہ راضی ہوگیا تو ہمارا آلہ کار بن جائے گا۔ اگر راضی نہ ہوا تو پھر ہم اسے ختم کردیں گے۔ کل دوپہر کو تمہیں ہسپتال جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ بس اتنا کام کرو کہ فوراً ہی رضی الدین کو باہر بھیجو۔ وہ جاکر پڑوسی سے ملاقات کرے گا۔ اس کا نام معلوم کرے گا اور اس کے مکان کا نمبر دیکھ کر آئے گا۔ پھر ہم اس سے نمٹ لیں گے۔ اوور۔"

خیرالدین نے رضی الدین کو اشارہ کیا۔ وہ وہاں سے چلا گیا پھر ٹرانسمیٹر کے مائیک کو آن کرتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی ذرا سی دیر میں آپ کو اس پڑوسی کا نام اور اس کے مکان کا نمبر بتادوں گا۔ اوور۔"

"ایک بات غور سے سنو' سرخ تنظیم والے تخریبی کارروائیوں میں ہم سے زیادہ تیز دکھائی دے رہے ہیں۔ وہ بھی منفی غدود کے ٹیکے اور کیپسول رکھتے ہیں۔ وہ ان کے ذریعے پچوٹری غدود کا خاتمہ کرتے جارہے ہیں اور یہاں کے کتنے ہی لوگوں کو اپنا آلہ کار بناتے جارہے ہیں۔ آج شام کو اسلام آباد سے ایک نوجوان جاوید رہبر یہاں آرہا تھا' ہم اسے شکار کرنا چاہتے تھے۔ پتہ چلا کہ سرخ تنظیم والے پہلے ہی یہ چال چل چکے ہیں۔ یہاں جو جاوید رہبر پہنچا ہے وہ اصلی نہیں نقلی ہے۔ یہاں ہمارے آدمی اسے ایک کار میں گھیر کر لے جارہے تھے لیکن وہ ان کی گرفت سے نکل بھاگا۔ ہمارے آدمی نے اس پر فائر کیا۔ یقیناً اسے گولی لگی ہوگی لیکن پھر بھی وہ ہاتھ سے نکل گیا۔ ہمارے آدمیوں کا بیان ہے کہ وہ اسی محلے میں کسی مکان میں جاکر چھپ گیا ہوگا اور چونکہ انہیں فرار ہونا تھا اس لئے وہ جاوید رہبر کو تلاش نہیں کرسکے۔"

ٹرانسمیٹر کے اسپیکر سے راحت عزیزی کی آواز ابھر رہی تھی اور سلیقہ حیرانی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ٹرانسمیٹر کو دیکھ رہی تھی اور اس کی نگاہوں کے سامنے وہ زخمی نوجوان تکلیف سے کراہتا ہوا نظر آرہا تھا۔ اس کے بازو سے خون بہہ رہا تھا۔ کیا گولی اس کو لگی تھی کیا اس کا نام جاوید رہبر ہے۔ ہاں اسی لئے تو وہ اس کے کمرے میں آکر چھپ گیا تھا۔ سلیقہ پھر توجہ سے ٹرانسمیٹر کی طرف دیکھ کر راحت عزیزی کی باتیں سننے لگی۔ وہ خیرالدین سے کہہ رہا تھا۔ "اس نوجوان جاوید رہبر کی رہائش کا پتہ ہمیں معلوم کرنا ہے۔ کیونکہ ہمارا ایک جوان جاوید رہبر کا رول ادا کرنے والا تھا۔ اس لئے ہم نے اس سلسلے

میں تمام معلومات حاصل کی تھیں۔ وہ تمہارے ہی محلے میں آیا ہوا ہے۔ تمہارے مکان کا نمبر ب۔۲۴ ہے اور جاوید رہبر کے مکان کا نمبر ب۔۷ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمہارے ہی بلاک میں رہتا ہے۔ یہ اچھا ہوا کہ وہ ہمارے ہاتھوں سے بچ گیا۔ اب ہم نے اس کی سرخ تنظیم کو اس کے ہاتھوں نقصان پہنچانے کی ایک تدبیر سوچی ہے۔ جب سرخ تنظیم کو اس کے ذریعے نقصان پہنچے گا تو وہ لوگ خود ہی اپنے اس آلہ کار کو ختم کر دیں گے۔"

سلیقہ نے بے اختیار اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔ اس کا دل سہمے ہوئے انداز میں دھڑک دھڑک کر پوچھ رہا تھا۔ "کیا وہ مارا جائے گا؟"

ٹرانسمیٹر سے راحت عزیزی کی آواز آرہی تھی۔ "خیرالدین تم غور سے میری پلاننگ کو سنو اور ابھی اس پر عمل کرو۔ سلیقہ اس کوارٹر نمبر ب۔۷ میں جائے گی اور جاوید رہبر کو اپنی محبت کے جال میں پھانسنے کی کوشش کرے گی۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ وہ سلیقہ کے حسن کا اسیر ہوجائے گا۔"

سلیقہ نے آنکھیں بند کرلیں۔ بند آنکھوں کے پیچھے اس نے دیکھا کہ اس کی زلفیں زنجیر بنتی جارہی ہیں اور جاوید رہبر کو اسیر کرتی جارہی ہیں۔ ہائے' یہ کیا ہورہا ہے۔ کیا پھر اس سے سامنا ہونے والا ہے۔ یہ تقدیر کیا کہتی ہے میری تقدیر نہیں' کالی تنظیم مجھ سے کیا کام لینا چاہتی ہے۔

اس نے پھر آنکھیں کھول کر ٹرانسمیٹر کی طرف دیکھا۔ کالی تنظیم کا لیڈر راحت عزیزی سے کہہ رہا تھا۔ "جو نوجوان جاوید رہبر بن کر کوارٹر نمبر ب۔۷ میں آیا ہے اسے اب اس بات کا دھڑکا لگا ہوگا کہ ہم کل اسے ایک انجینئر کی حیثیت سے اس کے دفتر میں حاضر ہونے کا موقع نہیں دیں گے۔ اس کے خلاف یہ ثبوت پہنچادیں گے کہ یہ جاوید رہبر نہیں ہے۔ وہ اپنے بچاؤ کے لئے صبح ہونے سے پہلے اپنے کوارٹر نمبر ب۔۷ کو چھوڑ کر جاسکتا ہے۔ کہیں روپوش ہوسکتا ہے۔ اس سے پہلے تم سلیقہ کو وہاں بھیج دو۔ وہ اسے اپنی باتوں سے اپنی اداؤں سے بہلا پھسلا کر تمہارے ہاں لائے گی۔ تم لوگوں سے تعارف کرائے گی۔ ہم ابھی دو چار گھنٹے کے اندر تمہارے پاس ایک ایسا آدمی بھیج رہے ہیں جس کے پاس پچوٹری ٹیکے ہوں گے۔ جب جاوید رہبر تمہارے پاس پہنچے گا تو تم اور رضی الدین اسے قابو میں کرلینا اگر وہ زیادہ طاقتور ہوا اور قابو میں آنے والا نظر نہ آئے تو اسے کھانے میں کوئی نیند کی بے ہوشی کی دوا کھلا دینا۔ یہ دوا بھی تمہارے پاس بھیج دی جائے گی۔

بہرحال جب وہ بے ہوش ہوجائے گا تو اسے پچوٹری ٹیکہ لگا دیا جائے گا۔ اس ٹیکے کے اثر سے اس کے دل اور دماغ میں صرف محبت ہی محبت ہوگی۔ وہ پاکستان کے خلاف پھر کچھ سننا یا کرنا گوارا نہیں کرے گا بلکہ سرخ تنظیم کے جتنے بھی دشمن اس کی نظروں میں ہوں گے ان سب کی وہ نشاندہی کرتا جائے گا۔ اس طرح نشاندہی کرنے کے دوران ہوسکتا ہے کہ اپنے آدمیوں کے ذریعے مارا جائے۔ بہرحال ہمارا مقصد پورا ہوجائے گا سرخ تنظیم کے بہت سے لوگ ہمارے اور یہاں کی حکومت کی نظروں میں آجائیں گے اور ان کے مقابلے میں ہمیں کامیابی نصیب ہوگی۔"

وہ گم صم بیٹھی ہوئی تھی۔ اب اسے ٹرانسمیٹر سے راحت عزیزی کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس کے کانوں میں جاوید رہبر کی باتیں بھری ہوئی تھیں۔ اس دوران رضی الدین نے آکر اپنے پڑوسی کا نام اور پتہ بتایا تھا جو راحت عزیزی تک پہنچا دیا گیا تھا۔ ٹرانسمیٹر سے ہونے والی گفتگو بھی ختم ہوگئی تھی پھر خیرالدین کی آواز نے سلیقہ کو چونکا دیا۔ "تم کیا سوچ رہی ہو؟"

"ایں۔" اس کے سامنے سے جاوید رہبر کا چہرہ گم ہوگیا۔ خیر الدین صابرہ بیگم اور رضی الدین کے خبیث چہرے دکھائی دینے لگے۔ وہ جلدی سے سنبھل کر بولی۔ "میں.......... میں اس جاوید رہبر کے بارے میں سوچ رہی ہوں کہ اسے کس طرح پھانس کر یہاں لانا ہے؟"

"اس میں سوچنا کیا ہے تم اس کے کوارٹر کی طرف جاؤ اور اس کے دروازے پر دستک دے کر اس سے باتیں کرو۔ اسے بتاؤ کہ تم اپنے ماں باپ اور بھائی کے ساتھ لاہور سے یہاں پہلی بار آئی ہو اور ابھی مارکیٹ کی طرف گئی تھیں۔ واپسی میں اپنا مکان بھول گئی ہو۔ اپنے مکان کا نمبر بتا دینا اور یہ کہنا کہ وہ تمہیں یہاں تک لاکر پہنچائے۔ بس اس بات کا خیال رکھنا کہ کچھ دیر اس کے ساتھ تم وقت گزار سکو تاکہ وہ پوری طرح تمہاری گرفت میں رہے اور اس وقت تک ہمارے پاس پچوٹری ٹیکے لگانے والا پہنچ جائے۔"

پندرہ منٹ کے بعد وہ اپنے مکان نمبر ب۔۲۴ سے نکلی اور مکان نمبر ب۔۷ کی طرف جانے لگی۔ رات کے گیارہ بجے تھے گلیاں قمقموں سے روشن تھیں۔ دور دور تک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ وہاں عورتیں رات کو کسی وقت بھی دور دور تک تنہا جاسکتی تھیں۔ کوئی چھیڑنے والا نہیں تھا۔ ہاں' محبت سے پوچھنے والے بہت تھے کہ بہن رات کو تنہا کہاں جارہی ہو۔ آؤ چلو ہم تمہیں وہاں تک پہنچا دیں۔ جہاں تک جانا ہوتا وہاں تک ساتھ دینے

والے بہت مل سکتے تھے مگر عزت محفوظ رہتی تھی۔ کسی کا دھڑکا نہیں لگا رہتا تھا کہ کوئی اٹھا کر لے جائے گا۔ اسی لئے اب پردے کا رواج بھی نہیں رہا تھا۔ کوئی عورت نہ تو چادر لپیٹتی تھی نہ برقعے میں چھپتی تھی کیونکہ مرد کی آنکھوں میں محبت کی شرم تھی۔ جب وہاں کوئی چھیڑتا ہی نہیں تھا تو پھر عورت کس کے ڈر سے برقعہ پہنتی۔

سلیقہ ڈر رہی تھی۔ محبت اگر اپنے محبوب سے ملاتی ہے تو ڈراتی بھی ہے کہ جانے ملن کی گھڑیوں میں کیا ہونے والا ہے۔ وہ اس مکان کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔ آس پاس تو ویسے ہی سناٹا تھا۔ مکان کے اندر بھی ایسی خاموشی تھی جیسے وہاں کوئی موجود نہ ہو۔ وہ برآمدے میں آئی۔ پھر دھڑکتے ہوئے دل سے دروازے پر دستک دی۔ کھٹ کھٹ کھٹ.......... دستک کی آواز خود اسے یوں لگی جیسے دھک دھک دل دھڑک رہا ہو۔

اندر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ اس نے دوبارہ دستک دی۔ پھر انتظار کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد دروازے کے دوسری طرف سے بہت ہی دھیمی سی آواز سنائی دی۔ وہ بڑی رازداری سے پوچھ رہا تھا۔ ”کون ہے؟“

پہلے تو وہ ہچکچائی۔ پھر لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے بولی۔ ”مم.......... میں ہوں۔“

”یہ میں میں کا مطلب کیا ہے۔ اگر یہ نام ہے تو میں کسی میں میں نام کی لڑکی کو نہیں جانتا ہوں۔“

سلیقہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اپنا تعارف کیسے کرائے۔ وہ بولی۔ ”جی میں وہی ہوں۔“

بند دروازے کے پیچھے سے آواز آئی۔ ”میں اس آواز کو تو اب لاکھوں میں پہچان سکتا ہوں۔ اس آواز نے تو میرے دل کا سکون اور میرے سوچنے کی قوت چھین لی ہے۔ میں پھر بھی اپنے یقین کے لئے نام پوچھ رہا ہوں۔ نام بتا دو تو دروازہ کھولوں گا۔“

”جی میرا نام سلیقہ ہے۔“

یہ سنتے ہی دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا‘ پھر اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی رہبر نے اس کے بازو کو پکڑ کر اندر کھینچ لیا اور ایسا کرتے ہی دروازہ دوبارہ بند کرکے اندر سے چٹخنی چڑھالی۔ ایک ساعت کے لئے جیسے سلیقہ کی سانس رک گئی تھی۔ اس کے چاروں طرف تاریکی تھی۔ اس کا بازو رہبر کی مضبوط گرفت میں تھا۔ وہ ایسی گرفت تھی جو عورت کو ایک انجانی خوشی کے خیال سے ڈراتی ہے۔ وہ گرفت ایسی تھی کہ اس کے بعد سلیقہ

اندھیرے میں بھی ایک دنیا دیکھ رہی تھی۔ ایسی دنیا جو اس کے اور رہبر کے لئے بنی تھی۔ جہاں نفرت کا عذاب نہیں تھا۔ حرص و ہوس کی غلاظت نہیں تھی۔ صرف محبت ہی محبت تھی۔

اندھیرے میں اس کی بھاری بھرکم سی سرگوشی سنائی دی۔ ”میں جانتا تھا تم آؤ گی۔ محبت سے نہ سہی‘ اس ڈر سے آؤ گی کہ میں نے تمہاری اصلیت سمجھ لی ہے تم اصلی سلیقہ نہیں ہو وہ کوئی اور ہوگی اور تم کوئی اور ہو۔“

تاریکی میں مترنم سی سرگوشی ابھری۔ ”وہ جاوید رہبر کوئی اور ہوگا تم کوئی اور ہو۔ تم نے محبت کا ٹیکہ نہیں لگایا ہے‘ پھر بھی تمہیں میرا انتظار تھا۔ میں نے بھی محبت کے کیپسول نہیں کھائے۔ پھر بھی یہاں چلی آئی۔“

”اچھا تو تمہیں میرا نام معلوم ہوگیا ہے۔“

”مجھے جاوید رہبر کا نام معلوم ہوا ہے جو شاید اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ کیا تم نے اسے قتل کر دیا ہے؟“

”نہیں سلیقہ‘ میں قاتل نہیں ہوں۔ میں اس ملک میں کسی کو جانی نقصان پہنچانے کے لئے نہیں‘ صرف نفرت اور بیزاری پھیلانے کے لئے آیا ہوں۔ اس کے عوض سرخ تنظیم والے مجھے بھاری معاوضہ دیں گے۔ ایک بڑے ملک کے بینک میں میرے نام لاکھوں کا بینک بیلنس ہوگا۔ ایک شاندار بنگلہ اور ایک نئے ماڈل کی کار مجھے ملے گی۔ جب میں یہاں سے کامیاب ہو کر لوٹوں گا تو وہاں مجھے کوئی سرکاری عہدہ دیا جائے گا۔ تم اپنی بات بتاؤ۔“

”میں کالی تنظیم سے تعلق رکھتی ہوں۔ میرا مستقبل بھی بہت شاندار ہوگا۔ جب میں یہاں سے کامیاب ہو کر جاؤں گی تو میرا بینک بیلنس بھی اتنا ہوگا کہ میں ساری زندگی عیش و آرام سے گزار سکوں گی۔ مگر تم یہاں سے زندہ واپس نہیں جاسکو گے۔“

وہ بولا۔ ”ہاں‘ کالی تنظیم کے لوگ سرخ تنظیم والوں کو دھمکی دیتے ہیں اور سرخ تنظیم والے کالی تنظیم والوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ یعنی ان دونوں کے ذریعے صرف پاکستانیوں کو نقصان نہیں پہنچ رہا ہے بلکہ ان دونوں تنظیموں کو بھی نقصان پہنچ رہا ہے۔ کتنے ہی لوگ ہماری طرح سنہرے خواب دیکھ کر یہاں تخریب کاری کے لئے آتے ہیں اور یہیں مرجاتے ہیں۔ انہیں واپس جانا نصیب نہیں ہوتا۔“

سلیقہ نے کہا۔ ”ہماری واپسی بھی نہیں ہوگی۔“

اس بار رہبر نے آہستگی سے کہا۔ "ہم تم ایک ہوجائیں تو یہاں سے کامیابی کے ساتھ واپس جاسکیں گے۔"

"نہیں، رہبر تم نہیں جانتے۔ تمہارے خلاف چاروں طرف جال بچھایا جارہا ہے۔ ایسی چال چلی جارہی ہے کہ تمہیں تمہاری ہی تنظیم والوں کی نظروں سے گرایا جائے گا اور وہ لوگ تمہیں قتل کر دیں گے۔"

وہ بولا۔ "میں تمہارے آنے سے پہلے اندھیرے میں بیٹھ کر یہی سوچ رہا تھا کہ میں جاوید رہبر کا رول ادا نہیں کرسکوں گا کیونکہ کالی تنظیم والوں کو میری اصلیت معلوم ہوگئی ہے۔ کل جب میں انجینئر کی حیثیت سے اپنے دفتر پہنچوں گا تو میرا بھید کھل چکا ہوگا اور اگر کل میں اپنی ڈیوٹی کا چارج نہیں لوں گا تو میری سرخ تنظیم والوں کو معلوم ہوجائے گا کہ کالی تنظیم والوں کی نظروں میں میرا بھید کھل چکا ہے۔ پھر یہ سرخ تنظیم والے بھی میرے دشمن بن جائیں گے کیونکہ وہ دونوں تنظیمیں اپنے ان آلہ کاروں کو زندہ نہیں چھوڑتی ہیں جو کسی مخالف تنظیم کی نظروں میں آجائیں یا حکومت کے سامنے ان کا بھید کھل جائے۔"

سلیقہ نے کہا۔ "ہاں ایسے بھی تمہاری مصیبت ہے اور ویسے بھی تمہارے خلاف چال چلی جارہی ہے۔ ہمارے آدمی تمہیں گھیر کر پچوڑی ٹیکہ لگانا چاہتے ہیں تاکہ تمہارے اندر صرف محبت کے جذبات ہوں اور تم اس جذبے کے زیر اثر اپنی سرخ تنظیم والوں کو یہاں کی حکومت کے سامنے ظاہر کردو۔ اس طرح سرخ تنظیم والے اور بھی تمہاری جان کے دشمن ہوجائیں گے۔"

"سلیقہ، تم اپنے ہی لوگوں کی سازشوں سے مجھے آگاہ کرنے آئی ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم مجھے دل و جان سے چاہتی ہو۔ تمہارے دل و دماغ میں بھی وہی محبت کا جذبہ ہے جو میرے اندر ہے ہم یہاں نفرت کا بیج بونے آئے تھے اور محبت کرنے لگے ہیں۔"

چند لمحوں تک خاموشی رہی۔ پھر سلیقہ نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں، اب میں سوچتی ہوں کہ جو کرنے آئی ہوں۔ برا کرنے آئی ہوں۔ محبت جنم میں نہیں کی جاتی، جنت میں کی جاتی ہے۔ محبت کے لئے لازمی ہے کہ ہمارے آس پاس رنگا رنگ پھول کھلے ہوں۔ ہم جدھر سانس لیں ادھر خوشبو ہی خوشبو ہو۔ چاروں طرف کی فضا صاف دھلی دھلائی اور اُجلی اُجلی سی ہو۔ اگر یہ سب کچھ پاکستان میں موجود ہے تو ہم اس فضا کو آلودہ کیوں کریں؟"

"ہاں کیوں کریں۔ ہمارے اجداد نے یہ ملک بنایا تھا۔ ہم بیرونی ملکوں میں رہ کر صرف پاکستان کا نام سنتے تھے اور بڑے بڑے ملکوں میں رہ کر پاکستان کو ایک حقیر سا ملک سمجھتے تھے۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ یہ محض ایک ملک نہیں، ماں کی گود ہے جسے بیرونی آیا کی گود نے ہم سے چھین لیا تھا۔"

سلیقہ نے اندھیرے میں اسے ٹٹولتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ اس کے شانے پر رکھ دیئے۔ پھر کہا۔ "یہاں آکر معلوم ہوا کہ پاکستان کا دوسرا نام رہبر ہے۔ اگر رہبر سلامت رہے گا تو پاکستان سلامت رہے گا۔ میں تمہاری سلامتی کے لئے اپنوں سے منہ موڑ کر دنیا چھوڑ کر آئی ہوں۔"

"ہم اس ملک سے فرار ہوکر باہر نہیں جاسکتے۔ بیرونی طاقتیں ہمیں کچل ڈالیں گی۔ میری اور تمہاری سلامتی اسی میں ہے کہ ہم اس زمین کو زندہ اور پائندہ رکھیں۔"

وہ بولی۔ "پاکستان ہماری پناہ گاہ ہے۔ پہلے ہمیں اپنی پناہ گاہ کو دشمنوں سے بچانا ہوگا۔ تبھی ہم باقی رہ سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، چلو ہم حکومت سے رابطہ قائم کریں اور ہماری نظروں میں جو بھی دشمن یہاں موجود ہیں ان کی نشان دہی کر دیں۔ چاہے اس میں ہماری جان بھی چلی جائے۔"

"کوئی بات نہیں، محبت میں اپنی جان کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہمارے بعد دوسرے محبت کرنے والوں کے لئے یہ زمین ہموار رہے۔"

دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھوں کو مضبوطی اور محبت سے تھام لیا۔ پھر رہبر نے کہا۔ "تم کتنی اچھی ہو۔"

"ہم دونوں اچھے ہیں۔ اس لئے کہ اچھائی کو پالیا ہے۔"

"سلیقہ ہم نے پچوڑی ٹیکے نہیں لگائے اس کے باوجود ہم محبت کی کتنی گہرائیوں میں پہنچ گئے ہیں۔ ایک دوسرے کے لئے کام آنے کا جذبہ ہے اور اپنے ملک کے لئے بھی دشمنوں سے ٹکرانے کا حوصلہ پیدا ہوگیا ہے۔ اگر ہم ابھی کسی ہسپتال میں جاکر یہ اعتراف کرلیں کہ ہم نے پچوڑی ٹیکے نہیں لگائے ہیں اور ہمیں یہ ٹیکے لگائے جائیں تو ہم محبت کی معراج کو پالیں گے۔ یہ ٹیکے لگانے کے بعد ہمیں ایک دوسرے سے اور اپنے وطن سے جو شدید محبت ہوگی وہ موجودہ محبت سے زیادہ مستحکم اور پائیدار ہوگی۔"

"یہ تو ٹھیک ہے لیکن میں اپنا پچوڑی کارڈ اور شناختی کارڈ وغیرہ لے کر نہیں آئی

ہوں۔ تمہارے ساتھ ہسپتال کیسے جاؤں گی۔"

رہبر نے کہا۔ "اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ جب تم سلیقہ نہیں ہو اور میں جاوید رہبر نہیں ہوں تو ہمیں شناختی کارڈ سے کیا لینا ہے۔ جب ہم نے ٹیکے نہیں لگائے ہیں تو پچوڑی کارڈ لے جاکر کیا کریں گے۔ ہم صاف اور سیدھی بات کہیں گے کہ ہم اپنے جرم کا اعتراف کرنے آئے ہیں۔ جب وہ خود ہی دیکھیں گے کہ ہم مجرمانہ زندگی گزارنے کے لئے پاکستان آئے تھے تو وہ ہمیں ٹیکے لگادیں گے تاکہ ہم راہ راست پر آجائیں ویسے تو ہم راہ راست پر آہی چکے ہیں۔"

اس نے پلٹ کر دروازے کی چٹخنی نیچے کی۔ پھر ایک پٹ کھول کر باہر کی طرف دیکھا۔ باہر رات کا سناٹا تھا۔ دور دور تک کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ لوگ اس وقت آرام سے گہری نیند سوتے تھے۔ پاکستان میں دن کام کے لئے تھا اور رات آرام کے لئے تھی۔ صرف کچھ لوگ جو ضرورت سے مجبور ہوتے تھے وہی رات کو گھر سے نکلتے تھے۔

وہ پلٹ کر سلیقہ سے بولا۔ "یوں تو باہر کوئی نظر نہیں آرہا ہے لیکن میرے دشمن ضرور کہیں چھپے بیٹھے ہوں گے۔"

سلیقہ نے آگے بڑھ کر کہا۔ "نہیں رہبر' میں سمجھتی ہوں کہ ابھی ہماری کالی تنظیم کا کوئی فرد تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گا کیونکہ ہمارے لیڈر راحت عزیزی نے اپنی پلاننگ بدل دی ہے۔ وہ تمہیں پچوڑی ٹیکے لگا کر سامنے لانا چاہتے ہیں۔ اس لئے ابھی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ یہی موقع ہے۔ ہم یہاں سے نکل چلیں۔"

رہبر اس کی باتوں کا قائل ہوگیا۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر آیا دروازے کو بند کیا۔ اس کے بعد وہ اپنی گلی سے گزرتے ہوئے ایک کشادہ سڑک پر آگئے۔ سڑک کے اطراف دکانوں کے دروازے بند تھے لیکن ان پر تالے نظر نہیں آرہے تھے گھر ہو یا دکانیں ہوں کوئی اپنے دروازے پر تالے نہیں لگاتا تھا۔ لوگ صرف دروازوں کو اس لئے بند کرتے تھے کہ کوئی جانور اندر نہ گھس آئے۔ ویسے انسان تو ایسا جانور ہے جو تالے توڑ کر بھی گھس آتا ہے اس لئے تالے بے مصرف ہوگئے تھے۔

وہ دونوں سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر چلتے جارہے تھے اور محتاط انداز میں دائیں بائیں اور آگے پیچھے بھی دیکھتے جارہے تھے۔ رہبر نے پوچھا۔ "تمہارا اصلی نام کیا ہے؟"

"میرا نام لبنیٰ ہے لیکن میرے اپنے مجھے للّی کہہ کر پکارتے ہیں اور تمہارا نام؟"

"میرا نام محمد یوسف ہے مگر مجھے تمہارا یہی نام سلیقہ پسند ہے۔ اس نام سے مجھے

تمہاری محبت ملی ہے۔"

"سچ پوچھو تو مجھے بھی تمہارے موجودہ نام رہبر سے محبت ہے۔ تم جاوید رہبر کا رول ادا کرنے آئے تو مجھ سے ملاقات ہوئی۔ ملاقات ہوئی تو محبت ہوئی۔ پتہ نہیں وہ بے چارہ جاوید رہبر کون ہوگا جو مارا گیا مگر مرتے مرتے ہمارے دلوں میں محبت کے چراغ روشن کر گیا۔"

وہ اس علاقے کے ہسپتال میں پہنچ گئے۔ وہاں مریض برائے نام تھے کیونکہ پوری قوم ایک صحت مند زندگی گزار رہی تھی۔ لوگ اگر بیمار پڑتے بھی تھے تو جلد ہی صحت یاب ہوجاتے تھے کیونکہ ان کو بیماری کے ساتھ کسی قسم کی فکر نہیں ہوتی تھی۔ روٹی کی کپڑے کی مکان کی اور دوسری ضروریاتِ زندگی کی فکر انہیں آدھا بیمار بنا کر رکھ دیتی تھی۔ اب ایسی باتیں نہیں تھیں۔ پھر بھی وہاں رات کو ڈاکٹر ڈیوٹی پر موجود رہتے تھے۔

ایک ڈاکٹر نے بڑی خوشدلی سے ان کا استقبال کیا۔ "آیئے' تشریف لایئے۔ میں آپ دونوں کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

رہبر نے کہا۔ "ہم یہاں جھوٹ سے توبہ کرکے سچ بولنے آئے ہیں اور ہم پچوڑی ٹیکہ لگوانا چاہتے ہیں۔"

ڈاکٹر نے ہنستے ہوئے کہا۔ "جب آپ نے جھوٹ سے توبہ کرلی ہے اور سچ بولنے آئے ہیں تو پھر پچوڑی ٹیکہ لگانے کا کیا مطلب ہوا۔ بھئی آپ کے دماغوں میں پچوڑی غدود کافی مقدار میں موجود ہے اسی لئے تو آپ سچ بولنے آئے ہیں۔"

سلیقہ نے کہا۔ "لیکن ڈاکٹر ہم نے کبھی پچوڑی ٹیکے نہیں لگوائے۔"

ڈاکٹر نے کہا۔ "آپ دونوں اپنے پچوڑی کارڈ دکھائیں۔ میں دیکھ لیتا ہوں۔"

رہبر نے کہا۔ "یہی تو بات ہے ہم بیرونی ممالک سے آئے ہیں اور یہاں آکر ہم نے ٹیکے نہیں لگائے بلکہ حکومت کو اور عوام کو دھوکا دینے کے لئے دوسروں کے شناختی کارڈ سے یہاں زندگی گزارنے کا ارادہ کیا تھا' کیونکہ اب ہم کسی کو دھوکا نہیں دینا چاہتے۔ اس لئے اپنے جھوٹ اور فریب کا اعتراف کرنے آئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب آپ ہمارا طبی معائنہ کرکے ہمارے جھوٹ اور سچ کو سمجھ سکتے ہیں۔ اگر آپ کے پاس ابھی وقت نہ ہو تو کوئی دوسرا وقت مقرر کردیں۔ ہم اس وقت آکر معائنے کے لئے حاضر ہوجائیں گے۔"

ڈاکٹر نے کہا۔ "ہمارے پاکستان میں آج کا کام کل پر نہیں ٹالا جاتا۔ وہ وقت گزر گیا جب سرکاری محکموں کے افسران آنے والوں کو یہ کہہ کر ٹال دیتے تھے کہ ایک ہفتے بعد

آؤ یا ایک ماہ بعد آؤ۔ پھر تمہارا کام ہوگا۔ اب تو جس وقت جو آتا ہے اسی وقت ہم محبت سے اس کا کام کر دیتے ہیں۔ اسے مایوس لوٹاتے وقت ہمارا دل دکھتا ہے۔ اس لئے ابھی تم لوگوں کا معائنہ ہوجائے گا۔" یہ کہہ کر اس نے ایک کاغذ پر کچھ لکھا۔ پھر اس کاغذ کو رہبر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہاں کوریڈور سے آپ آخری کمرے میں چلے جائیں۔ وہاں ڈاکٹر زیدی ہیں۔ آپ انہیں یہ پرچی دیں۔ ابھی آپ دونوں کا معائنہ ہوجائے گا۔"

وہ دونوں اس کمرے سے نکل کر کوریڈور میں آئے۔ رہبر نے اس پرچی کو پڑھا۔ اس پر لکھا تھا۔ "ڈاکٹر زیدی' حامل رقعہ اور اس کی ساتھی کا پچوٹری معائنہ کریں اور ان کے لئے نئے پچوٹری کارڈ بنادیں۔ شکریہ!"

وہ اس کوریڈور کے آخری کمرے میں پہنچے۔ وہاں ڈاکٹر زیدی نے اسی طرح خوش دلی سے ان کا استقبال کیا۔ پھر پرچی پڑھنے کے بعد انہیں ایک ایسے کمرے میں لے گیا جہاں جدید قسم کی ایکسرے مشینیں تھیں۔ وہاں باری باری رہبر کو اور سلیقہ کو ایک اسکرین کے پیچھے کھڑا کیا گیا اور ایکسرے کے ذریعے ان کا معائنہ کیا گیا۔ بیس منٹ کے بعد وہ دونوں پھر ڈاکٹر زیدی کے کمرے میں تھے۔ ڈاکٹر نے پچوٹری کارڈ کی خانہ پُری کرتے ہوئے کہا۔ "تم دونوں کے دماغوں میں پچوٹری غدود کافی مقدار میں ہیں' تمہیں ٹیکے اور کیپسول کی ضرورت نہیں ہے۔"

سلیقہ اور رہبر نے ایک دوسرے کو حیرانی سے دیکھا۔ پھر رہبر نے کہا۔ "لیکن ڈاکٹر ہم تو کبھی پچوٹری ٹیکے نہیں لگاتے نہ ہی کیپسول کھاتے ہیں۔ پھر ہمارے دماغوں میں یہ غدود کافی مقدار میں کیسے ہوگئے۔"

ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا۔ "جب یہ غدود دریافت نہیں ہوئے تھے جب ٹیکے اور کیپسول ایجاد نہیں ہوئے تھے۔ کیا اس سے پہلے انسانوں کے دماغ میں محبت کے غدود نہیں تھے۔ نہیں مسٹر' تھے لیکن کسی میں کم اور کسی میں زیادہ تھے لیکن اب یہ محبت کے غدود عام ہوگئے ہیں۔ جن کے پاس نہیں تھے ان کے پاس بھی ٹیکے اور کیپسول کے ذریعے پہنچا دیئے گئے ہیں۔ ان کی بات تو بالکل الگ ہے جن کے دماغوں میں قدرتی طور پر بھی غدود کافی مقدار میں موجود ہوتے ہیں جیسے تم دونوں کے دماغوں میں ہیں۔ چلو' اب اپنے اپنے کارڈ لکھواؤ۔ ہاں' تو پہلے تم بتاؤ کیا نام ہے تمہارا؟" اس نے سلیقہ سے پوچھا۔

سلیقہ نے رہبر کی طرف دیکھا۔ رہبر نے کہا۔ "ڈاکٹر صاحب ہم نے ابھی یوں سمجھئے

کہ نیا جنم لیا ہے۔ ہم نئی زندگی کی ابتدا کر رہے ہیں پہلے میرا نام محمد یوسف اور اس کا نام لبنیٰ تھا اب میرا نام جاوید رہبر اور اس کا نام سلیقہ ہے۔"

ڈاکٹر زیدی نے کارڈ پر لکھتے ہوئے کہا۔ "اچھا تو تمہارا نام ہوا محمد یوسف عرف رہبر اور تمہارا نام لبنیٰ عرف سلیقہ۔ اب اپنا پتہ ٹھکانہ بتاؤ۔"

رہبر نے کہا۔ "ہم ناظم آباد کے ب۔۷ اور ب ۲۴ میں رہتے تھے لیکن اب ہم حکومت کو فریب نہیں دیں گے۔ حکومت کے ذمہ دار افسران کے سامنے خود کو مجرم کی حیثیت سے پیش کریں گے اور دوسرے مجرموں کی نشاندہی بھی کریں گے۔"

ڈاکٹر زیدی نے تھوڑی دیر تک ان دونوں کو دیکھتے ہوئے کچھ سوچا۔ پھر کہا۔ "ٹھیک ہے میں محتسبِ اعلیٰ کے نام ایک رقعہ لکھ دیتا ہوں۔ تم ان سے ملو۔ وہ تمہارا بیان قلمبند کریں گے۔ پھر تمہاری مدد سے دوسرے مجرموں تک پہنچیں گے اور انہیں محبت سے حراست میں لے کر پچوٹری ٹیکے لگادیں گے۔"

☆======☆======☆

ایک بڑی سی میز کے اطراف کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سرخ تنظیم اور کالی تنظیم کے لیڈر بھی موجود تھے۔ کالی تنظیم کے لیڈر راحت عزیزی نے سرخ تنظیم کے لیڈر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”مسٹر فریدی ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اگر ہم اسی طرح آپس میں لڑتے جھگڑتے رہے تو اس ملک میں کامیابی کے ساتھ تخریبی کارروائیاں نہیں کر سکیں گے۔ اس ملک سے زیادہ ہم دونوں کی تنظیموں کو نقصان پہنچے گا۔“

کامریڈ فرید نے کہا۔ ”بے شک ہمارا مقصد ایک ہے۔ پہلے ہم اس ملک کو کھوکھلا کرنا چاہتے ہیں۔ جب تک اسے کمزور نہیں بنائیں گے۔ اس وقت تک ہم یہاں اپنی مرضی کی حکومت قائم نہیں کر سکیں گے۔ اب اپنی مرضی کی حکومت ہم قائم کریں گے یا تم قائم کرو گے۔ اس کا فیصلہ اس وقت ہوگا جب یہ ملک کمزور اور ہمارا محتاج ہو جائے گا۔ ابھی تو ہم یہ طے کر لیں کہ ہم ایک دوسرے کے آدمیوں کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔“

راحت عزیزی نے کہا۔ ”میں وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی تمہارے راستے کی رکاوٹ نہیں بنوں گا اور نہ ہی تمہارے آدمیوں کو نقصان پہنچاؤں گا۔“

کامریڈ فرید نے کہا۔ ”میرا بھی یہی وعدہ ہے۔ دیکھو ہم نے یہاں دور دور تک عوام میں نفرت اور بیزاری پھیلانے کے لئے دو اہم محکموں کا انتخاب کیا ہے۔ ایک تو پولیس والوں کا محکمہ ہے۔ ہم ایماندار پولیس افسروں کو کسی طرح گھیر کر اور اپنے قابو میں لا کر انہیں منفی غدود کے ٹیکے لگاتے ہیں۔ پھر وہ نفرت اور بیزاری میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور مجرموں کا محاسبہ کرنے کی بجائے خود جرائم کو فروغ دینے میں ہمارا ساتھ دیتے ہیں۔ ہم نے تمام شہروں کے کتنے ہی پولیس افسروں کو اپنے قابو میں کر لیا ہے۔ دوسرا محکمہ ہسپتال کے اس شعبے کا ہے جہاں پچوٹری ٹیکے لگائے جاتے ہیں۔ ہم وہاں کے ڈاکٹروں کو بھی اپنے قابو میں کرتے جا رہے ہیں جو ڈاکٹر ہیں وہ عوام کو پچوٹری ٹیکے لگانے کی بجائے چپ چاپ ان کی لاعلمی میں منفی غدود کے ٹیکے لگا دیتے ہیں۔ اس طرح عوام میں نفرت اور بیزاری کا زہر

پھیلتا جا رہا ہے۔“

راحت عزیزی نے کہا۔ ”کمال ہے یہی طریقۂ کار ہمارا بھی ہے۔ ہم بھی احتساب کرنے والے محکموں کی طرف توجہ دیتے ہیں اور ان کے افسران کو اپنے قابو میں کرتے ہیں۔ پچوٹری ٹیکے لگانے والوں کو بھی ہم نے اپنے قابو میں کر رکھا ہے لیکن ادھر ناظم آباد کا ڈاکٹر زیدی ہمارے قابو میں اب تک نہیں آیا ہے۔“

کامریڈ نے کہا۔ ”تم فکر نہ کرو۔ ہمارے آدمی کل تک ڈاکٹر زیدی کو بھی منفی غدود کا ٹیکہ لگا دیں گے۔ پھر وہ بھی ہمارے اشاروں پر ناچے گا۔“

اس کی بات ختم ہوتے ہی کمرے کا دروازہ کھلا۔ ایک ادھیڑ عمر اور لانبے قد کا آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی سب لوگ احتراماً کھڑے ہو گئے۔ وہ اس شہر کا محتسبِ اعلیٰ تھا۔ اس نے دروازے کو اندر سے بند کرنے کے بعد ان کے قریب آ کر آہستگی سے کہا۔ ”میرے پاس ایک نوجوان جوڑا آیا ہے۔ وہ دونوں تم لوگوں کے خلاف بیان لکھوا رہے ہیں۔“

کامریڈ فرید نے پوچھا۔ ”کون ہیں وہ؟“

محتسبِ اعلیٰ نے کہا۔ ”لڑکے کا نام محمد یوسف عرف رہبر ہے۔ اس کا بیان ہے کہ وہ سرخ تنظیم کے ذریعے اس ملک میں تخریب کاری کے لئے آیا ہے۔“

کامریڈ نے سر ہلا کر کہا۔ ”ہاں‘ میں جانتا ہوں۔ کیا وہ ہمارے خلاف رپورٹ لکھوا رہا ہے؟“

محتسبِ اعلیٰ نے ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”اس کے ساتھ جو لڑکی ہے اس کا نام لیلیٰ عرف سلیقہ ہے اور وہ کالی تنظیم کے ذریعے اس ملک میں آئی ہے۔“

راحت عزیزی نے جلدی سے کہا۔ ”ارے ہاں‘ یہ تو ہماری تنظیم کی چھوکری ہے۔ کیا اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے کہ یہ ہمارے خلاف قدم اٹھا رہی ہے۔“

محتسبِ اعلیٰ نے کہا۔ ”میں نے ان کے پچوٹری کارڈ کا مطالعہ کیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ یہ ٹیکے اور کیپسول کے بغیر محبت کرنے والی ہستیاں ہیں۔ ان کے دماغوں میں قدرتی طور پر پچوٹری غدود کی افراط ہے۔ شاید اسی لئے یہ لوگ پاکستان کی محبت میں تم لوگوں کے خلاف قدم اٹھا رہے ہیں۔“

کسی نے کہا پچوٹری غدود کی افراط کا مطلب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ پاکستان سے محبت ہو جائے۔ کیا پاکستانی حکومت نے پچوٹری غدود کے اثرات کو اپنے ملک تک محدود کر دیا

ہے؟"

محتسبِ اعلیٰ نے کہا۔ "یہ بات نہیں ہے۔ اصل میں قومیت اور زمین سے رشتے کی بات ہے۔ سرخ تنظیم اور کالی تنظیم کے جتنے آلہ کار ہیں وہ اپنی تہذیب' اپنی معاشرت اور اپنے آباؤ اجداد کے تعلق سے پاکستان کی زمین سے وابستہ رہے ہیں۔ اس لئے جب ان کے دماغوں میں یہاں کی محبت کے غدود کی افراط ہوتی ہے تو لامحالہ یہاں کی زمین سے محبت ہوجاتی ہے۔ وہ سب سے پہلے یہی سوچتے ہیں کہ ان کی سلامتی اسی میں ہے کہ پہلے ملک کی سلامتی ہو۔"

راحت عزیزی نے کہا۔ "ہم کس بحث میں الجھ گئے ہیں۔ پہلے ہمیں سلیقہ اور رہبر کو ٹھکانے لگانا چاہئے۔"

کامریڈ فرید نے کہا۔ "انہیں مارنے یا سزا دینے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ انہیں صرف منفی غدود کے ٹیکے لگا دیئے جائیں۔ پھر وہ ساری محبت بھول کر اسی طرح ہمارے کام آنے لگیں گے۔"

محتسبِ اعلیٰ نے کہا۔ "میرا بھی یہی مشورہ ہے۔ میں نے ان دونوں کو اپنے دفتری کمرے میں بٹھایا ہے۔ میں انہیں یہاں پہنچا دیتا ہوں۔ تم لوگ انہیں پکڑ کر منفی غدود کے ٹیکے لگا دو تاکہ وہ باہر جاکر ہمارے خلاف پھر کچھ نہ کرسکیں۔"

سب لوگ اس فیصلے پر متفق ہوگئے۔ محتسبِ اعلیٰ وہاں سے نکل کر اپنے دفتری کمرے میں آیا۔ وہاں سلیقہ اور رہبر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے کہا۔ "تم دونوں کے بیانات قلمبند ہوچکے ہیں۔ اب میرے ساتھ دوسرے کمرے میں چلو۔ وہاں دوسرے افسران بیٹھے ہوئے ہیں۔ تم ان کے سامنے جاکر بتا دینا کہ سرخ تنظیم اور کالی تنظیم کے کون کون سے افراد تم دونوں کی نظروں میں ہیں اور ان کے نام اور پتے بھی لکھوا دینا۔ آؤ میرے ساتھ۔"

وہ دونوں اپنی جگہ سے اٹھ کر محتسبِ اعلیٰ کے پیچھے چلنے لگے۔ ایک کمرے کے دروازے پر پہنچ کر محتسبِ اعلیٰ نے کہا۔ "یہ دروازہ کھول کر اندر چلے جاؤ۔"

رہبر نے سلیقہ کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر دروازہ کھول کر اندر جانے لگا۔ اندر پہنچتے ہی وہ دونوں ٹھٹک گئے۔ وہ جن تخریب کاروں اور ان کے لیڈروں کی نشاندہی کرنے آئے تھے وہ سب کے سب وہاں نظر آرہے تھے۔ رہبر فوراً ہی پلٹ کر سلیقہ کو کھینچتے ہوئے کمرے سے باہر لے جانا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے ہی محتسبِ اعلیٰ نے دروازہ بند کر دیا۔ کامریڈ فرید

نے ریوالور نکال کر رہبر کو نشانے پر رکھتے ہوئے کہا۔ "اب کوئی حرکت نہ کرنا۔ بھاگنے کی کوشش نہ کرنا۔ ورنہ گولی مار دوں گا۔"

ریوالور دیکھتے ہی سلیقہ دوڑ کر رہبر کے سامنے ڈھال بن گئی۔ "نہیں نہیں' کوئی میرے رہبر کو نہیں مار سکتا۔ اس سے پہلے میں اپنی جان دے دوں گی۔"

رہبر نے اسے اپنے پاس سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "نہیں سلیقہ میں مرد ہوں۔ میں تمہاری حفاظت کا ذمہ دار ہوں۔ میں تمہارے لئے جان دوں گا۔"

وہ سب ہنسنے لگے۔ راحت عزیزی نے کہا۔ "بڑی محبت ہوگئی ہے تم دونوں کو' لیلیٰ مجنوں بن گئے ہو۔ ساری محبت ابھی ڈھل کر رہ جائے گی۔"

رہبر نے محتسبِ اعلیٰ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "جناب' یہ کیا؟ آپ تو اس شہر کے محتسبِ اعلیٰ ہیں۔ آپ کے ذریعے قانون رائج ہوتا ہے اور آپ ہی مجرموں کا محاسبہ کرتے ہیں لیکن آپ تو مجرموں کی سرپرستی کررہے ہیں۔"

محتسبِ اعلیٰ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اب سے آٹھ برس پہلے پاکستان کی یہی حالت تھی۔ مجرموں کی پشت پناہی وہی افسران کرتے تھے جن کے ہاتھوں میں قانون کی عملداری ہوتی تھی۔ جتنے مجرم ہوتے تھے وہ سب تھانے' حوالات اور جیلوں میں جاکر جرائم کی تربیت حاصل کرتے تھے پھر معاشرے کا ناسور بن جاتے تھے۔ اب پھر وہی ہونے والا ہے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی دو آدمیوں نے رہبر کو اور دو آدمیوں نے سلیقہ کو جکڑ لیا۔ انہیں زبردستی کرسیوں پر لاکر بٹھا دیا۔ اس کے بعد انہیں رسیوں سے باندھنے لگے۔ وہ خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے ریوالور تھا۔ انہیں دھمکی دی جارہی تھی کہ ان کی مرضی کے خلاف کوئی حرکت ہوگی تو گولی مار دی جائے گی۔ اب رہبر سلیقہ کی سلامتی کے لئے اور سلیقہ رہبر کی سلامتی کے لئے خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ اچانک سلیقہ کے حلق سے چیخ نکلی' وہ ٹیکہ لگانے سے ڈرتی تھی۔ جب اس کے بازو میں سوئی چبھوئی گئی تو اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ یہی سلوک رہبر کے ساتھ کیا گیا۔ اسے بھی ایک ٹیکہ لگا دیا گیا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ وہ دونوں آنکھیں بند کئے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر راحت عزیزی نے پوچھا۔ "اب ان کا کیا کیا جائے؟"

ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے ایک ڈاکٹر نے اپنی رسٹ واچ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ

انجکشن زود اثر ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ انہیں چھوڑ دیا جائے۔ اب یہ ہمارے خلاف کچھ نہیں بولیں گے۔"

کامریڈ فرید نے راحت عزیزی کی طرف جھک کر آہستگی سے کہا۔ "میرا بھی یہی خیال ہے۔ ان دونوں کو چھوڑ دیا جائے۔ یہ دونوں ہی اپنے اپنے ٹھکانوں پر واپس چلے جائیں گے۔ اب ان کے اندر سے محبت کے غدود پگھل چکے ہوں گے یا پگھل رہے ہوں گے۔ تھوڑی دیر میں یہ ہمارے راستے پر چلنے لگیں گے۔"

راحت عزیزی نے کہا۔ "ٹھیک ہے مگر انہیں یہاں کچھ دیر روک کر دیکھنا چاہئے کہ اس ٹیکے کا ردعمل کیا ہوتا ہے۔"

سلیقہ اور رہبر کی رسیاں کھول دی گئیں۔ وہ دونوں تھوڑی دیر تک اسی طرح کرسی پر بیٹھے رہے۔ سلیقہ بار بار اپنے سر کو تھام لیتی تھی اور کچھ ایسا چہرہ بناتی تھی جیسے اپنے اندر کچھ تبدیلی محسوس کر رہی ہو۔ اور اس تبدیلی کو برداشت کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

رہبر اپنے آس پاس کے لوگوں کو نظرانداز کر کے صرف سلیقہ کو دیکھے جا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت انگیز چمک تھی۔ وہ سلیقہ کے حُسن کو اور شباب کو ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ یہ اب تک میرے ساتھ تھی مگر مجھے اتنی وضاحت سے نظر نہیں آئی تھی۔ میں کیسا نادان تھا کہ یہ میرے کمرے میں آئی۔ اندھیرے میں میرے ساتھ کھڑی ہوئی باتیں کرتی رہی اور میں مرد کی بجائے اُلّو بنا رہا۔

ایسا سوچتے وقت رہبر کے منہ سے رال ٹپکنے لگی۔ اس نے جلدی سے منہ کو پونچھتے ہوئے اپنے لیڈر کامریڈ فرید کی طرف دیکھا۔ پھر اٹھ کر عاجزانہ انداز میں کہا۔ "کامریڈ' میں آپ کے سامنے شرمندہ ہوں۔ پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا کہ میں بہک گیا تھا۔ آپ لوگوں کے خلاف پتہ نہیں کیسی کیسی باتیں کر رہا تھا۔"

کامریڈ فرید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں تھا۔ یہ سب پچوٹری غدود کی کارستانی تھی۔ اب ہم نے اس غدود کا توڑ کر دیا ہے۔ تم پھر ہمارے وفادار ہو اور ہم تم پر اعتماد کرتے ہیں۔"

رہبر نے کہا۔ "کامریڈ' میں کل صبح ایک انجینئر کی حیثیت سے یہاں ڈیوٹی سنبھال لوں گا۔ جیسا آپ لوگوں کا اشارہ ہو گا ویسا ہی کام کروں گا لیکن میری ایک ضرورت پوری کر دی جائے۔"

کامریڈ نے کہا۔ "بے شک تمہاری ہر ضرورت پوری کی جائے گی۔ بولو کیا چاہتے

ہو؟"

اس نے سلیقہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے اس کی ضرورت ہے۔"

یہ سنتے ہی سلیقہ اُچھل کر کھڑی ہو گئی۔ رہبر سے ذرا دور جاتے ہوئے بولی۔ "یہ کیا بکواس ہے۔ تم میری توہین کر رہے ہو۔ تم نے اپنے آپ کو سمجھا کیا ہے۔ کبھی آئینے میں اپنی صورت دیکھی ہے۔ جو میری تمنا کر رہے ہو۔"

راحت عزیزی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کیوں سلیقہ' تھوڑی دیر پہلے تو تم اس پر دل و جان سے فدا ہو رہی تھیں۔"

"وہ میری بھول تھی۔ پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا کہ میں اس کے پیچھے پیچھے یہاں تک چلی آئی۔"

رہبر نے اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔ "میری جان' اب میں تمہارے پیچھے پیچھے چلوں گا۔ میرے کامریڈ کی اجازت مل جائے تو میں تمہیں یہاں سے اٹھا کر لے جاؤں گا۔"

کامریڈ فرید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میری طرف سے اجازت ہے۔ میں مسٹر راحت عزیزی سے درخواست کروں گا کہ وہ سلیقہ کو ہمارے حوالے کر دیں۔ اس لڑکی کے عوض ہم راحت عزیزی کا کسی بہت بڑی مہم میں ساتھ دیں گے اور اس مہم کو کامیاب بنائیں گے۔"

راحت عزیزی نے کہا۔ "مجھے منظور ہے۔ رہبر میں تمہیں اجازت دیتا ہوں۔ اگر یہ اپنا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں نہ دے تو تم اسے زبردستی اٹھا کر کہیں بھی لے جا سکتے ہو۔"

کامریڈ فرید نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "اگر رہبر اسے اٹھا کر لے گیا تو بڑا مزہ آئے گا۔ اس ملک میں کافی عرصے سے سڑکوں پر ایسا تماشا نہیں ہوا کہ کوئی لڑکی کو اٹھا کر لے گیا ہو یا کسی قسم کی زبردستی کی گئی ہو۔ اب یہاں کے لوگ یہ تماشا بھی دیکھیں گے۔"

رہبر نے سلیقہ کی طرف اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اپنا ہاتھ دو گی یا میں ہاتھ پکڑ کر کھینچ لوں۔"

وہ سہم کر پیچھے ہٹتے ہوئے راحت عزیزی سے بولی۔ "یہ کیا ہو رہا ہے۔ تم نے تو کہا تھا کہ یہاں میں جتنی بھی تخریبی کارروائیوں میں تم لوگوں کے ساتھ شریک رہوں گی۔ وہاں میری عزت کی جائے گی مگر تم لوگ میری عزت کے دشمن بن گئے ہو۔"

راحت عزیزی نے کہا۔ "عزت پیاری ہے تو اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے کر

یہاں سے چلی جاؤ اور اس کے گھر تک اس کی خوشامد ہی کرو۔ اگر یہ مان گیا یا تم کسی چالاکی سے اپنے آپ کو بچانے میں کامیاب ہوگئیں تو آئندہ میں تمہاری عزت کو داؤ پر نہیں لگاؤں گا۔ اب تم فیصلہ کرو کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔"

سلیقہ نے فیصلہ کرنے کے انداز میں سوچتے ہوئے کبھی راحت عزیزی کو کبھی رہبر کو' کبھی کامریڈ فرید کو دیکھا پھر آہستگی سے اپنا ایک ہاتھ رہبر کی طرف بڑھایا۔ رہبر نے مسکرا کر اس کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا۔ پھر اسے کھینچتا ہوا اپنے ساتھ کمرے سے باہر لے گیا۔ کسی نے انہیں نہیں روکا۔ ان کے لیڈر جانتے تھے کہ محبت کے غدود اب گل چکے ہیں تو وہ سیدھے اپنی اپنی جگہ پہنچیں گے یعنی سلیقہ خیرالدین کے پاس پہنچے گی اور رہبر اپنے مکان نمبر ب۔۷ میں پہنچ جائے گا اور کل سے انجینئر کے فرائض انجام دے گا۔

رہبر سلیقہ کے ساتھ چلتا ہوا محتسبِ اعلیٰ کے دفتر سے گزرنے لگا وہاں ایک لڑکی نے انہیں مخاطب کیا۔ "مس سلیقہ' مسٹر رہبر آپ لوگوں کے پچوٹری کارڈ یہاں رہ گئے ہیں۔"

رہبر سلیقہ کے ساتھ چلتا ہوا لڑکی کی میز کے پاس آیا۔ پھر ان دونوں پچوٹری کارڈ کو اٹھا کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہوئے بولا۔ "یہ سب فضول چیزیں ہیں۔ ان کی وجہ سے آدمی بالکل ہی اُلو بن کر رہ جاتا ہے۔ عورت ہاتھ آتی ہے تو اسے ہاتھ نہیں لگاتا۔"

یہ کہہ کر اس نے اس لڑکی کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ دفتر میں کام کرنے والی لڑکی نے جلدی سے اپنے ہاتھ کو چھڑاتے ہوئے کہا۔ "مسٹر' یہ کیا؟ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا پچوٹری کارڈ غلط تھا۔ آپ کو پھر سے طبی معائنہ کرانا چاہئے۔"

رہبر ہنستا ہوا اس کا مذاق اڑاتا ہوا سلیقہ کو ساتھ لے کر اس دفتر سے باہر نکل آیا۔

پھر وہ دونوں سڑک پر پہنچ گئے۔ سلیقہ نے فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے التجا آمیز لہجے میں کہا۔

"رہبر' یہ تمہیں کیا ہوگیا ہے۔ تم تو میری بے حد عزت کرتے تھے اور اب میری عزت کے دشمن بن رہے ہو؟"

رہبر نے چلتے چلتے آہستگی سے کہا۔ "میری جان میں اب بھی تمہاری عزت کرتا ہوں بس مجھے ایکٹنگ کرنے دو۔ ذرا دور تک اسی طرح چلتی رہو۔ نہیں تو ان لوگوں کو یہ معلوم ہوجائے گا کہ ان کے منفی غدود کے ٹیکے نے ہم پر اثر نہیں کیا ہے۔ کیا تم پر اثر کیا ہے؟"

سلیقہ نے پہلے تو اسے حیرانی سے دیکھا۔ پھر خوش ہو کر بولی۔ "ہاں جب ٹیکہ لگایا گیا تو

اس وقت مجھے عجیب سا لگا۔ ایک دم سے دماغ میں جھنجلاہٹ سی محسوس ہوئی۔ جی چاہتا تھا کہ جو بھی سامنے آئے اس کے منہ پر تھوک دوں۔ مگر میں سر کو تھام کر برداشت کررہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ میں پہلے کی طرح بالکل نارمل ہوں۔"

"یہی میں بھی محسوس کر رہا تھا۔ ٹیکہ لگانے کے تھوڑی دیر بعد میں بھی نارمل ہوگیا تھا لیکن ان کے خیال کے مطابق یہ ظاہر کرنا ضروری تھا کہ میں جھنجلاہٹ میں مبتلا ہوں اور اب میرے اندر محبت نہیں نفرت ہی نفرت ہے۔ بہرحال یہ تم نے عقل مندی کا ثبوت دیا کہ ان کے سامنے مجھ سے سہمی ہوئی رہیں۔"

"میں تو سچ مچ سہمی ہوئی تھی کیونکہ تم میرے حسن و شباب کی تعریف کر رہے تھے اور بڑے ہی سستے انداز میں بول رہے تھے مجھے ڈر لگنے لگا۔ وہ مجھے پہلے والا رہبر نظر نہیں آیا تو میں سہم گئی تھی۔"

"اب کیسا نظر آرہا ہوں۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "اب تو تم بہت ہی پیارے لگ رہے ہو۔"

رہبر نے ذرا دور جاکر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ پھر وہ دونوں اطمینان سے فٹ پاتھ پر چلنے لگے۔ سلیقہ نے پوچھا۔ "اب کیا ہوگا۔ ہمیں پناہ کہاں ملے گی۔ کیا ہم پھر ان لوگوں کے آلہ کار بن کر رہیں گے؟"

"کیا بتاؤں۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ ہم ڈاکٹر کے پاس طبی معائنے کے لئے گئے تھے لیکن اس ڈاکٹر نے ہمیں دوسرے ڈاکٹر زیدی کے پاس بھیجا۔ ڈاکٹر زیدی نے ہمیں محتسبِ اعلیٰ کے پاس بھیجا اور محتسب اعلیٰ نے ہمیں ہمارے لیڈروں کے سامنے جاکر پھنسا دیا۔ ایسا لگتا ہے جیسے ہمیں پھانسنے کا یہ سلسلہ ہسپتال کے اس پہلے ڈاکٹر سے چلا تھا۔ سارے لوگ اس سازش میں ملوث نظر آتے ہیں۔ کون فرشتہ ہے کون شیطان ہے ہم انہیں سمجھ نہیں سکتے؟"

سلیقہ نے کہا۔ "ہمارے لئے مشکل تو یہ ہے کہ محتسبِ اعلیٰ جیسا افسر بھی سازش کرنے والوں کا ساتھ دے رہا ہے اور ہم شکایت کریں یا سازشیوں کو بے نقاب کریں تو کس کے پاس کریں؟"

"سلیقہ' میرے دماغ میں ایک تدبیر ہے۔ ہمارے لیڈر ہمیں جیسا دیکھنا چاہتے ہیں ہم انہیں ویسے ہی نظر آتے رہیں یعنی ان کے سامنے بار بار جھنجلاہٹ' نفرت اور بیزاری کا اظہار کرتے رہیں' ان کے منصوبوں کے مطابق تخریبی کارروائیوں میں شریک رہیں اور

چپکے چپکے یہ معلوم کرتے رہیں کہ اب پاکستان میں کون دیانت دار افسر رہ گیا ہے اور کون ان بدمعاشوں کو سزا دے سکتا ہے یا انہیں ملک سے باہر نکال سکتا ہے تو ہم اس کے پاس جاکر تمام رپورٹ پیش کردیں گے۔"

سلیقہ نے کہا۔ "ہاں یہی مناسب ہے۔"

وہ باتیں کرتے ہوئے مکان نمبر ب۔ے میں پہنچ گئے۔ رہبر نے کہا۔ "آج رات تم میرے پاس رہو۔ صبح یہاں سے اپنے مکان میں جانا تاکہ ان لوگوں کو اس بات کا یقین ہوجائے کہ ہم گنہگار بن گئے ہیں۔"

سلیقہ نے اسے جھکی جھکی نظروں سے دیکھا۔ پھر کہا۔ "رہبر مجھے پوچھنا تو نہیں چاہئے۔ میرا دل پوری طرح یقین کرتا ہے کہ تم میرے اچھے رہبر ہو مگر میں اپنی تسلی کے لئے پھر بھی پوچھ لیتی ہوں کیا میں تم پر اعتماد کروں؟"

رہبر نے اس کے ہاتھ کو تھام کر کہا۔ "ہاں سلیقہ' جو محبت سچی ہوتی ہے وہ ہوس سے پاک ہوتی ہے۔ محبت کرنے والے گناہ کی کالک اپنے منہ پر نہیں لگاتے اور ہم بھی نہیں لگائیں گے۔"

وہ خوش ہوکر بولی۔ "بس میں نے اعتماد کرلیا۔ ایک رات نہیں ہزار راتیں تمہارے ساتھ گزار سکتی ہوں۔ اب چلو' تم سوجاؤ' صبح تمہیں ایک انجینئر کی حیثیت سے ڈیوٹی پر جانا ہے۔"

وہ دونوں بیڈ روم میں آگئے۔ وہاں تھوڑی دیر تک اس موضوع پر بحث کرتے رہے کہ منفی غدود کے ٹیکے نے ان پر اثر کیوں نہیں دکھایا اور ان کی محبت کے غدود کس طرح برقرار رہ گئے۔ ان باتوں کا کوئی جواز تو ہونا چاہئے۔ کچھ سمجھ میں تو آنا چاہئے کہ ایسی انہونی بات کیسے ہوگئی۔

بہت سی باتیں جو انہونی نظر آتی ہیں۔ حقیقتاً انہونی نہیں ہوتیں انہیں عام دماغ سمجھ نہیں پاتا کہ ایسا کیوں ہوگیا۔ کچھ لوگ سمجھ لیتے ہیں وہ بھی ایسے وقت جب ایسے تجربات سے گزرتے ہیں۔ ابھی سلیقہ اور رہبر ان تجربات سے گزر رہے تھے۔ جب وہ محبت کی انتہا کو پہنچیں گے تو شاید وہ انہونی بات انہیں ہونی نظر آجائے گی۔

دوسری صبح وہ رہبر کے مکان سے نکل کر اپنے مکان میں آئی۔ وہاں خیرالدین' صابرہ بیگم اور رضی الدین اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ سلیقہ کی زلفیں بکھری ہوئی تھیں۔ وہ اپنے چہرے سے پریشانی ظاہر کر رہی تھی۔ خیرالدین نے کہا۔ "ہمیں راحت

عزیزی سے معلوم ہوچکا ہے تم رہبر کے پاس رات بھر رہی تھیں۔"

وہ جھنجلا کر بولی۔ "اگر معلوم ہوچکا ہے تو مجھے سنانے کی کیا ضرورت ہے؟" اور غصے سے پاؤں پٹختی ہوئی باتھ روم کی طرف جانے لگی۔

رضی الدین نے کہا۔ "تم ہم پر غصہ کیوں دکھا رہی ہو؟"

وہ پلٹ کر بولی۔ "تم لوگ نام کے مرد ہو۔ سرخ تنظیم کا ایک آدمی مجھے پکڑ کرلے گیا اور تم لوگوں سے کچھ نہ ہوا۔"

رضی الدین نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "راحت عزیزی نے بتایا ہے کہ یہ ہماری پلاننگ کا ایک حصہ تھا۔ اس کے بعد سرخ تنظیم والے ایک مہم میں ہماری بڑی مدد کریں گے۔"

سلیقہ نے' اونہہ کہہ کر باتھ روم کے دروازے کو اندر سے بند کردیا۔ دروازہ بند کرتے ہی وہ مسکرانے لگی۔ وہ ایسی مسکراہٹ تھی جو محبت کے چہرے سے طلوع ہوتی ہے اور محبوب کی آغوش میں غروب ہوکر بھی روشن رہتی ہے۔

اس ملک میں سلیقہ کا دوسرا دن تھا۔ اتنی مختصر مدت میں اس نے محبت کا سبق حاصل کرلیا تھا اور وہ سبق اسے دل و جان سے یاد ہوگیا تھا۔ اس کے علاوہ یہاں آکر وہ بہت سی معلومات حاصل کر رہی تھی۔ بیرونِ ملک میں رہ کر وہ سوچتی رہتی تھی کہ پاکستان جنت بن گیا ہے۔ وہاں سب لوگ فرشتوں جیسی زندگی گزارتے ہیں۔ کوئی کسی سے جھوٹ نہیں بولتا۔ کسی کو دھوکہ نہیں دیتا۔ سب ایمانداری اور بڑی پاکیزگی سے دن گزارتے ہیں۔ یہاں پہنچتے ہی دو ہی دن میں اسے پتہ چل گیا کہ جو کچھ اس نے سنا تھا اگرچہ وہ سچ تھا مگر اب اس سچ کے بیچ میں جھوٹ رواج پا رہا تھا۔ بیرونی ممالک سے آئے ہوئے دشمنوں نے فریب کا جال پھیلا دیا تھا۔

دشمنوں کی کامیابی کی ایک ہی وجہ تھی۔ انہوں نے پچوٹری غدود کا توڑ پیدا کرلیا تھا۔ منفی غدود کے ٹیکے تیار کرلئے تھے۔ اسی ایک حربے سے وہ سچائی کو جھوٹ میں بدل رہے تھے۔ پتہ چلا کہ اب وہاں کبھی کبھی چوری ڈکیتی کی واردات ہوتی ہے کہیں کوئی قتل کردیا جاتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی لڑکی اغوا کرلی جاتی ہے۔ جب وہ دوبارہ واپس ملتی ہے تو اس کا سب کچھ لٹ چکا ہوتا ہے۔ ایسے دہشت زدہ کرنے اور منافقت کرنے والے واقعات پچھلے چھ ماہ سے ہوتے آرہے تھے اور اب ان واقعات میں رفتہ رفتہ شدت پیدا ہوتی جارہی تھی۔

حکومت کے ذمہ دار افراد پریشان تھے کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ جنہیں پچوڑی ٹیکے لگائے جاتے ہیں وہ کچھ دنوں میں پچوڑی غدود سے خالی کیسے ہو جاتے ہیں اور ان میں نفرت' حرص و ہوس اور تشدد پسندی کیوں آجاتی ہے۔ جس طرح شیطان نظر نہیں آتا اس طرح ایکسرے مشین کے ذریعے منفی غدود نظر نہیں آتے تھے۔ جو نفرت کرنے والا یا تشدد پر آمادہ رہنے والا مرجاتا تھا تب اس کے دماغ کی سرجری کی جاتی تھی تو کچھ ایسے اجزا پائے جاتے تھے جو پچوڑی غدود کے لئے زہر قاتل کا کام کرتے ہیں اس طرح بڑے بڑے ڈاکٹروں اور انٹیلی جنس کے افسروں نے یہ رائے قائم کی تھی کہ پچوڑی غدود کے خلاف کارروائی کی جارہی ہے اور یہ سب بیرونی سازشیں ہیں۔

جاوید رہبر پہلے ہی دن ڈیوٹی سنبھالنے کے دوران اس تاک میں رہا کہ اسے کوئی دیانت دار افسر مل جائے تو وہ اسے اپنے دل کی بات کہہ سکے اور ان دشمنوں کی نشاندہی کرسکے۔ ڈیوٹی کا چارج دوسرے انجینئر سے لیتے وقت اس سے بہت سی باتیں ہوئیں۔ اس نے محسوس کیا کہ چارج دینے والا انجینئر کچھ بیزار سا ہے اور تعمیری ذہن نہیں رکھتا ہے۔ اس کے اندر بھی کچھ تخریب پسندی ہے۔ رہبر نے اسے آزمانے کے لئے کوڈ ورڈز میں ایک جملہ ادا کیا' جسے وہ سمجھ نہ سکا۔ اس نے پوچھا۔ "ابھی تم نے کیا کہا تھا؟"

رہبر نے جلدی سے مسکرا کر کہا۔ "ابھی میں رومانیہ کی زبان میں کہہ رہا تھا کہ راحت عزیزی میرا گہرا دوست ہے اور ہم آپس میں ساتھی ہیں۔"

یہ کہہ کر رہبر نے اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ اس کے مقابل بیٹھے ہوئے انجینئر نے کہا۔ "دوست' مجھے افسوس ہے کہ میں تمہاری باتیں نہیں سمجھ رہا ہوں۔ یہ راحت عزیزی کون ہے؟"

رہبر نے خوش ہو کر کہا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ تم سچے پاکستانی ہو اور تمہارے اندر پچوڑی غدود کافی مقدار میں ہیں۔ میں تم سے ایک سلسلے میں تعاون چاہتا ہوں۔"

"بے شک بتاؤ۔ میں تمہارے لئے کیا کرسکتا ہوں۔"

"مجھے کسی ایسے دیانتدار محتسبِ اعلیٰ تک پہنچا دو جو دشمنوں کو گرفتار کرسکے اور ان کا محاسبہ کرسکے۔ ہمارے ملک میں دشمن اپنا جال پھیلائے جارہے ہیں۔"

اس نے کہا۔ "اگر ایسی بات ہے تو ابھی میرے ساتھ چلو۔ میں اس نیک کام میں پوری طرح تمہارا ساتھ دوں گا۔"

رہبر نے کہا۔ "میں ایک محتسبِ اعلیٰ سے مل چکا ہوں۔ وہ غداروں کے لئے کام کر

رہا ہے۔ میں اگر تمہارے ساتھ اس کے پاس جاؤں گا تو پھر پھنس جاؤں گا۔"

"تم بے فکر رہو۔ میں ایسے غداروں کے پاس نہیں لے جاؤں گا تم مجھے اس محتسبِ اعلیٰ کا نام بتاؤ۔"

رہبر نے اس کا نام اور پتہ بتایا۔ وہ انجینئر اسے ایک دیانتدار آفیسر کے مکان میں لے گیا۔ وہ مکان خالی تھا۔ انجینئر نے اسے بیٹھنے کے لئے کہا اور کسی نمبر پر ٹیلیفون کرکے مختصر طور پر بتایا کہ اسلام آباد سے جاوید رہبر نام کا جو انجینئر یہاں آیا ہے وہ بیرون ممالک سے آئے ہوئے دشمنوں کی صحیح نشاندہی کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے فوراً ہی آکر اس سے ملاقات کی جائے۔

وہ آنے والے ایماندار آفیسر کا انتظار کرنے لگا۔ آدھے گھنٹے کے بعد گھڑی دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں نے تو سنا تھا کہ پاکستان میں لوگ اب بہت ہی فرض شناس اور وقت کے پابند ہوگئے ہیں یہ تمہارا دیانتدار آفیسر ابھی تک نہیں پہنچا۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی دروازے سے آواز آئی۔ "ہم پہنچ گئے ہیں۔"

رہبر آواز سنتے ہی ایک دم سے اچھل کر کھڑا ہوگیا کیونکہ وہ کامریڈ فرید کی آواز تھی۔ دروازے پر کامریڈ فرید کے ساتھ ایک اور نوجوان ریوالور پکڑے ہوئے کھڑا تھا۔ کامریڈ فرید اپنے ساتھی کے ساتھ اندر آتے ہوئے بولا۔ "اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نے منفی غدود کا جو ٹیکہ تمہیں اور سلیقہ کو لگایا تھا وہ کامیاب نہیں ہوا ہے۔ ضرور ہمارے ٹیکے میں کوئی خامی رہ گئی ہے۔ اچھا ہوا تم پھر ہمارے دام میں آگئے۔ کسی دیانتدار آفیسر سے ٹکرا جاتے تو ہمارا نقصان ہوجاتا۔ مگر اب ہم تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ کسی ٹیکے کا خطرہ مول نہیں لیں گے۔"

رہبر نے غصہ سے اس انجینئر کو دیکھا جو اسے بہلا پھسلا کر وہاں تک لایا تھا۔ اس انجینئر نے مسکرا کر کہا۔ "میں نے تمہارے کوڈورڈز کا مطلب سمجھ لیا تھا اور انجان بن کر معلوم کرنا چاہتا تھا کہ تمہاری حقیقت کیا ہے۔ حقیقت معلوم ہوئی تو میں نے اپنے کامریڈ کو یہاں بلوالیا۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی رہبر نے اچانک ہی پلٹ کر ریوالور والے کے ہاتھ پر ایک زوردار ٹھوکر ماری۔ اس کے ہاتھ سے ریوالور نکل کر دور جاگرا۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ لوگ ریوالور کی طرف لپکتے رہبر چھلانگ لگاتا ہوا دوڑتا ہوا کمرے سے باہر آگیا اور دروازے کو باہر سے بند کردیا۔

دوسری طرف سلیقہ بن سنور کر رہبر سے ملنے کے لئے گھر سے جانا چاہتی تھی لیکن اسی وقت رضی الدین اس کے کمرے میں آگیا۔ اس نے مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا خیال ہے۔ کہاں بجلی گرانے جارہی ہو؟"

سلیقہ نے ناگواری سے کہا۔ "اپنا لہجہ درست کرو۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "جو لڑکی خود درست نہ ہو' اس کے ساتھ اور کیسی درستی؟"

وہ غصے سے اُچھل کر کھڑی ہوگئی۔ پھر بولی۔ "آئندہ اگر تم نے میرے ساتھ ایسی گفتگو کی تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔ میں راحت عزیزی سے شکایت کردوں گی۔"

رضی الدین نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "جب شکایت کرنا ہو تو کرتی رہنا۔ ابھی تو میں تمہیں کہیں جانے نہیں دوں گا۔"

وہ اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے چیخنے لگی۔ اس کی چیخ سن کر خیرالدین اور صابرہ بیگم کمرے میں آگئے۔ خیرالدین نے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "رضی' اس کا ہاتھ چھوڑ دو۔ کیا تم اس علاقے میں ہمارا بھانڈا پھوڑنا چاہتے ہو۔ کیا تم بھول گئے ہو کہ کسی کو جیتنے کے لئے اپنے اندر پچوٹری غدود کا ہونا ضروری ہے۔ محبت سے کسی کو جیت لیا جاتا ہے۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو یہاں کے لوگ تمہیں پکڑ کر پچوٹری ٹیکہ لگادیں گے۔"

سلیقہ نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ پھر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "میں اب تم لوگوں کے ساتھ نہیں رہوں گی نہ کوئی کام کروں گی۔" یہ کہتے ہوئے وہ جلدی سے باہر آگئی۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں خیرالدین اور رضی اسے پکڑ کر کمرے میں بند نہ کردیں۔ باہر گلی میں آتے ہی سامنے راحت عزیزی کی گاڑی نظر آئی۔ وہ اپنے دو آدمیوں کے ساتھ گاڑی سے اتر رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی اس نے دور سے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "سلیقہ کہاں جارہی ہو۔ رک جاؤ۔"

وہ رک کر کچھ کہنا چاہتی تھی۔ اسی وقت جاوید رہبر کی آواز سنائی دی۔ وہ اس کے پیچھے والی گلی سے دوڑتا ہوا آرہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ "سلیقہ ادھر چلی آؤ۔ ان کے پاس نہ جانا۔ ہمارا بھید کھل گیا ہے انہیں معلوم ہوگیا ہے کہ منفی غدود کے ٹیکے نے ہم پر اثر نہیں کیا ہے۔ راحت عزیزی تمہیں نقصان پہنچانے آیا ہے۔"

وہ رہبر کو دیکھتے ہی اس کی طرف دوڑتی چلی گئی تھی۔ خیرالدین صابرہ بیگم اور رضی الدین مکان سے باہر آگئے تھے۔ دوسری طرف راحت عزیزی خلافِ توقع جاوید رہبر کو دیکھ کر پریشان ہوگیا تھا۔

جاوید رہبر نے سلیقہ کا ہاتھ تھام کر راحت عزیزی کی طرف دیکھتے ہوئے چیخ چیخ کر کہا۔ "لوگو اپنے اپنے گھروں سے باہر نکل آؤ اور اپنے دشمنوں کا محاسبہ کرو۔ یہی لوگ غیر ممالک سے یہاں آئے ہیں اور تمہارے ملک کو کھوکھلا کردینا چاہتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ یہ لوگ پاکستان کو کوئی نقصان پہنچائیں انہیں پکڑ کر پچوٹری ٹیکے لگادو یا انہیں ملک سے باہر بھگادو۔"

رہبر کے چیخنے چلّانے کے دوران بہت سے لوگ اپنے اپنے گھروں سے نکل کر آرہے تھے لیکن اس سے پہلے ہی راحت عزیزی اپنی گاڑی میں جاکر بیٹھ گیا تھا۔ خیرالدین اپنی فیملی کے ساتھ بھاگتا ہوا گاڑی کی طرف جارہا تھا۔ محلے والوں کو جاوید رہبر کی باتیں سمجھنے میں' دشمنوں کو پہچاننے میں ذرا دیر لگی۔ اتنی دیر میں وہ تمام لوگ گاڑی میں بیٹھ کر فرار ہوگئے۔

رہبر نے اطمینان سے محلے والوں کو تمام تفصیلات بتائیں کہ وہ اور سلیقہ دونوں سرخ تنظیم اور کالی تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ دونوں تنظیمیں کس طرح ملک میں بدامنی پھیلا رہی ہیں۔ اس کی باتیں سننے کے بعد تمام محلے والوں نے ان دونوں کو سماجی بہبود کے دفتر میں پناہ دی۔ پھر وہاں بڑے بڑے افسران کو ٹیلیفون کے ذریعے رابطہ قائم کرکے بلایا۔ وہاں پر مسئلہ پیش آیا کہ سلیقہ اور رہبر کی کس طرح حفاظت کی جائے۔ وہ سب محبت کے مارے تھے اور یہ سوچ کر پریشان ہو رہے تھے کہ دشمن ان دونوں کی جان کے دشمن بن گئے ہیں۔ لہٰذا ان کی فکر میں دوسروں کو بھی نیند نہیں آسکتی تھی اور نہ ہی وہ سکون سے رہ سکتے تھے۔

بہت سے لوگ کہہ رہے تھے کہ سلیقہ اور رہبر کو اسی محلے میں رکھا جائے وہ سب مل کر ان کی حفاظت کریں گے اور دشمنوں کو اس علاقے میں گھسنے نہیں دیں گے۔

ایک آفیسر نے کہا۔ "دشمنوں کا چہرہ کوئی نہیں پہچانتا۔ جو دشمن ابھی پہچانے گئے ہیں وہ اب سامنے نہیں آئیں گے۔ اپنے دوسرے ساتھیوں کو انہیں ہلاک کرنے کے لئے بھیجیں گے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ ان دونوں کو فی الحال اس شہر سے دوسرے شہر منتقل کر دیا جائے۔"

رات کے دس بجے تک وہ سب اس فیصلے پر متفق ہوگئے۔ انہوں نے سلیقہ اور رہبر کو اپنے ساتھ رات کا کھانا کھلایا پھر ایک گاڑی آئی جس میں ان دونوں کو بٹھا دیا گیا۔ اس میں دو مسلح جوان بھی تھے۔ وہ گاڑی سپر ہائی وے کی جانب جانے لگی۔ دشمنوں کی

تخریبی کارروائیوں سے پہلے اس ملک میں اس قدر امن و امان تھا کہ کوئی مجرم نظر نہیں آتا تھا۔ اگر اتفاق سے کہیں یہ پتہ چل جاتا کہ کسی نے کوئی خطا کی ہے یا کسی نے کسی بات پر جھگڑا کیا ہے تو پولیس والے اپنے ساتھ پچوٹری ٹیکہ لگانے کی سرینج لے جاتے تھے۔ یہی ان کا ریوالور یا اصلاحی ہتھیار ہوتا تھا۔ اس کے بعد جو خطاکار ہوتا تھا وہ راہ راست پر آجاتا تھا لیکن پچھلے کئی ماہ سے دشمنوں نے اتنے ہنگامے کئے تھے۔ ہر شہر میں ایسی تباہی و بربادی کا مظاہرہ کیا تھا کہ یہاں کے پولیس والے پھر سے ریوالور اور دوسرے ہتھیار رکھنے لگے تھے۔ اس وقت بھی سلیقہ اور رہبر کو اپنے ساتھ لے جاتے وقت دو سو جوان رائفل لئے ہوئے تھے۔

سپرہائی وے پر تقریباً پچاس میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اچانک ہی فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ ان کی گاڑی کو یکبارگی جھٹکا سا لگا۔ پھر وہ گاڑی قابو سے باہر ہوگئی۔ ڈرائیور نے اسٹیئرنگ کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن وہ گاڑی سڑک سے نیچے اتر گئی اور ایک جگہ جاکر رک گئی۔ پتہ چلا کہ گاڑی کے پہیئے پر کسی نے فائر کیا تھا اور پہیہ بے کار ہوگیا تھا۔

چند لمحوں تک گاڑی کے اندر خاموشی رہی سلیقہ گھبرائی ہوئی تھی اور رہبر سے لگی بیٹھی تھی۔ رہبر نے کہا۔ ”باہر نکلنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ دشمن کہیں آس پاس ہی ہوں گے۔“

پیچھے بیٹھے ہوئے مسلح جوانوں نے اپنی اپنی رائفل کی نال کو سلیقہ اور رہبر کی گردن سے لگاتے ہوئے کہا۔ ”باہر تو نکلنا ہی ہوگا دشمن باہر بھی ہیں اور اندر بھی۔“

گاڑی ڈرائیو کرنے والا بُری طرح زخمی ہوگیا تھا۔ اس نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔ ”یہ کیا، تم دونوں بھی محبت کرنے والوں کے دشمن بن گئے ہو۔“

ایک مسلح جوان نے کہا۔ ”اب وہ پاکستان نہیں ہے جس کے بارے میں تصور کیا جاتا تھا کہ یہاں صرف محبت ہے۔ نفرت سے نہ کوئی سوچتا ہے نہ بولتا ہے۔ نہ کوئی کسی کو نقصان پہنچاتا ہے۔“

رہبر نے کہا۔ ”ہم اپنے جیتے جی اس جنت کو جہنم نہیں بننے دیں گے۔“

سلیقہ نے بھی عزم سے کہا۔ ”ہاں، میں اور رہبر ہمارے جیسے کتنے ہی محبت کرنے والے تم لوگوں کے ناپاک ارادوں کو ایک دن ختم کردیں گے۔“

وہ دونوں مسلح جوان ہنسنے لگے۔ ایک نے کہا۔ ”تم نہیں تمہارے پچوٹری غدود بول

رہے ہیں۔ چلو باہر نکلو۔ ابھی ہم ان غدود کا خاتمہ کردیں گے۔ نہ تم رہو گے نہ غدود رہیں گے۔“

انہیں باہر نکلنا پڑا۔ کیونکہ باہر دُور دُور تک ایسے کتنے ہی لوگ نظر آرہے تھے اور وہ اپنا گھیرا گاڑی کے گرد تنگ کررہے تھے۔ جب سلیقہ اور رہبر باہر آگئے تو ایک مسلح جوان نے ڈرائیور کو بھی کھینچ کر باہر نکالا۔ جو دشمن چاروں طرف سے گھیر رہے تھے۔ ان کے لیڈر نے کہا۔ ”یہ ڈرائیور بھی کبھی ہمارا آدمی تھا لیکن پتہ نہیں کیسے اس کے دماغ میں پچوٹری غدود کی افراط ہوگئی۔ جیسے کہ تم دونوں کے دماغوں میں پچوٹری غدود پیدا ہوگئے۔ ہم نے اس کمبخت کو بھی منفی غدود کے ٹیکے لگائے۔ ان کا کوئی اثر نہیں ہوا۔“

رہبر نے کہا۔ ”تم لوگ چاہے کتنی کوششیں کرلو۔ محبت کو نفرت میں نہیں بدل سکو گے۔“

اس کی بات ختم ہوتے ہی ڈرائیور کو گولی مار دی گئی ان کے لیڈر نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”ہم محبت کو مار تو سکتے ہیں۔“

”ہاں، یہ ازل سے ہوتا آیا ہے جب محبت کے دشمن محبت کو بدل نہیں سکتے، کچل نہیں سکتے، اسے کم نہیں کرسکتے تو بیزار ہوکر جھنجھلا کر اسے مار ڈالتے ہیں۔ محبت کرنے والوں کے مرنے کی کتنی ہی داستانیں بکھری ہوئی ہیں لیکن محبت کے مرنے کی ایک بھی داستان تم نہیں سنا سکو گے۔ محبت اُس وقت بھی زندہ تھی اور محبت آج بھی زندہ ہے۔“

”بکواس مت کرو۔ تم دونوں نے ہماری دونوں تنظیموں کو بہت زبردست نقصان پہنچایا ہے۔ یہاں سے لے کر لاہور اور اسلام آباد تک ہمارے جو آلہ کار ہیں۔ تم لوگوں نے ان کی نشاندہی کردی ہے ہم تم لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ تمہارے مرنے کے بعد بھی ہم اس معاشرے میں تباہی پھیلا سکتے ہیں۔“

رہبر نے کہا۔ ”بے شک اب ہمیں اپنی موت نظر آرہی ہے لیکن مرنے سے پہلے ہم کچھ کہنا چاہتے ہیں۔“

لیڈر نے کہا۔ ”کہو تمہیں آخری موقع دیا جاتا ہے۔“

رہبر نے کہا۔ ”تم اتنے سارے لوگ جو ہمیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہو۔ تم میں سے کسی نہ کسی کو حالات کے کسی موڑ پر شاید کوئی دیانت دار آفیسر پچوٹری ٹیکہ لگادے یا قدرتی طور پر پچوٹری غدود پیدا ہوجائیں تو اس وقت تم میں سے وہ شخص اس ملک کے ذمہ دار افراد تک ہمارا پیغام دے۔ ہمارا پیغام یہ ہے کہ دنیا کا کوئی معاشرہ ایک پتھر

نہیں ہوتا کہ اسے اصلاحی ہتھیاروں سے تراش کر ایک خوبصورت مجسمہ بنا لیا جائے۔ معاشرہ ایک گدھا نہیں ہوتا کہ اسے ڈنڈے مار مار کر ایک انسان بنا دیا جائے اور جو بظاہر انسان ہوتے ہیں انہیں صحیح معنوں میں انسان نہیں بنایا جاسکتا۔

آسمان سے صحیفے اترے تاکہ صراطِ مستقیم کی نشاندہی کی جائے۔ ایک کے بعد دوسرے پیغمبر لاکھوں کی تعداد میں آتے رہے تاکہ وہ صراطِ مستقیم پر چلتے ہوئے عملی نمونے پیش کریں لیکن کسی بھی آسمانی کتاب کسی بھی نبی کو یہ اختیار حاصل نہیں تھا کہ وہ جسے چاہتے راہِ راست پر لے آتے۔ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں فرمایا ہے:

"اے نبی ﷺ تو راہ پر نہیں لاسکتا جسے چاہے' بلکہ اللہ ہی جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔"

بے شک جسے اللہ چاہتا ہے اس کے دماغ کے آسمان سے دل کی زمین پر پچوٹری غدود اتارتا ہے۔ محبت کی نعمت عطا کرتا ہے کیونکہ ایک محبت ہی ایسا صحیفہ ہے۔ اللہ کی طرف سے پیدا ہونے والا پچوٹری غدود ہی ایک ایسا غدود ہے جس کا کوئی توڑ نہیں ہوسکتا۔ تم دنیا میں کسی بھی عمل کا کسی بھی ایجاد کا توڑ پیدا کرسکتے ہو لیکن محبت کا توڑ آج تک کسی نے پیدا نہیں کیا۔ محبت کو تم نفرت کی آگ میں جھونک کر غرور کے سامنے جھکا نہیں سکتے۔ محبت کو پیاسا مار کر اسے کربلا میں اپنا سر دینے سے نہیں روک سکتے۔ محبت مرتی ہے لیکن ہر کربلا کے بعد زندہ ہونے کے لئے مرتی ہے۔ تم لوگ ہمیں بھی ماردو۔ بس اتنی سی گزارش ہے کہ تم میں سے کسی کے دل و دماغ میں قدرتی طور پر جب محبت کے غدود پیدا ہوں تو ہمارا پیغام ہمارے پاکستانیوں تک' ہمارے ذمہ دار افسران تک پہنچا دینا۔"

اس کی بات ختم ہوئی تو تھوڑی دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔ زمین چپ ہو گئی' آسمان ایک تماشائی کی طرح خاموش رہا۔ پھر اس خاموشی اور سناٹے میں یکے بعد دیگرے دوبار فائرنگ کی آواز دور تک گونجتی چلی گئی۔ پھر اس کے بعد وہی کربلا کی خاموشی چھا گئی۔

☆======☆======☆